بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمـــَنِ الرَّحِیمِ

THE HISTORICAL DEVELOPMENT OF THE QURAN

کشف القرآن

یعنی

قرآن کی تواریخی ترتیب کا اظہار

من تصنیف

ڈاکٹر ایڈورڈ سیل صاحب ۔ ایم ۔ آر ۔ اے ۔ ایس

جس کو

ڈاکٹر ای۔ایم ۔ویری صاحب کے اہتمام سے منشی محمد اسمعیل

نے انگریزی زبان سے ترجمہ کیا

1902 ء

فہرست مضامین

التماس مترجم

کشف القرآن یعنی سیل صاحب کی کتاب Historical Development of the Quran کا اردو ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے وقت اس قدر عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ترجمہ میں مصنف کے خیالات اور دلائل کو حتی المقدور بغیر کسی طرح کی کمی بیشی کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور طرز بیان بھی ایسا اختیار کیا گیا ہے جو ناظرین کو مرغوب ہو اور مصنف کے مدعا ومقصود کو بالتوضیح ظاہر کرے بعض امور میں یہ ترجمہ انگریزی اصل پر فوق رکھتا ہو مثلاً جس قدر آیات قرآنی اقتباس کی گئی ہیں وہ سب کی سب حرف بحرف اصل قرآنی عربی میں پیش گئی ہیں اور ان کے ذیل عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی کا اردو ترجمہ مندرج ہے۔ علاوہ بریں تمام مقتبسات کے حوالجات میں وہی طریق اختیار کیا گیا ہو جو علمائے اسلام میں رائج ہے اور جس کو بآسانی اور بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

مصنف کا طرز بیان قابل تعریف ہے۔ وہ اپنے بیان و براہین کو پیش کرتے وقت نہایت ہمدرد اور منصف مزاج معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مرام ومقصد اور اصلی مطلوب سوائے اظہار حق اور کچھ قصور نہیں ہوتا۔ مترجم نے بھی حتی الوسع کوشش کی ہے کہ اس ترجمہ کا مفہوم بتمامہ وہی جو انگریزی اصل میں متضمن ہے۔ خدائے تعالیٰ اس ترجمہ کے مطالعہ پر برکت بخشے اور اس کو فی الحقیقت کشف القرآن بنادئے۔آمین۔

دیباچہ مصنف

اس کتاب سے آنحضرت ﷺ کے سوانح عمری اور ان کی زندگی کے تمام واقعات مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہ قرآن کے کے متدارج انکشاف کی تواریخ ہے جس سے اس امر کی توضیح ہوتی ہے کہ قرآن نے کس طرح تدریج موجودہ صورت اختیار کی اور کہاں تک آنحضرت کی اپنی ہی زندگی کے واقعات اس کی بیخ وبن ثابت ہوتے ہیں۔ اس پہلو سے قرآن پر نظر کی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن اقوام سے اسے سابقہ پڑا ان کے حق میں کس قدر حسب ضرورت رخ بدلتا رہا ہے۔ اس کے احکام کی مناسبت اس کے عذرات اور زجروعتاب وغیرہ پر غور کرنے سے ہم صاف نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کس نادر طور سے اسلام کی ضروریات کے مطابق قرآن کے مختصر الہامی فقرے نازل ہوتے رہے۔

قرآن کی سورتوں کے نزول کی تاریخ ان کی ترتیب میں نے وہی اختیار کی ہے جو نولدیکی صاحب کی کتاب مسمی بہ گشیختی دس قرآن میں پائی جاتی ہے۔ میری رائے میں یہ تواریخی ترتیب نہایت ہی قابل اعتبار اور قرین صحت ہے۔ فہرست ذیل سے معلوم ہوجائے گا کہ نولدیکی صاحب تمام مکی سورتوں کو تین حصوں میں منقسم کرتے ہیں یعنی ابتدائی۔وسطی اور زمانہ بعد کی سورتیں۔ اور باقی سورتوں کو سلسلہ چہارم قرار دیتے ہیں۔

مکی سورتیں

سلسلہ اول

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے پہلے پانچ سال یعنی 612ء سے 617ء تک کی مکی سورتیں بترتیب ذیل ہیں:

(1)علق،(2)مدثر،(3)لہب،(4)قریش،(5)کوثر،(6)ہمزہ،(7)ماعون،(8)تکاثر،(9)فیل،(10)لیل،(11)، بلد(12)انشراح،(13)ضحیٰ،(14)قدر،(15)طارق،(16)شمس،(17) عبس،(18)قلم،(19)اعلیٰ،(20)تین،(21)عصر،(22)بروج،(23)مزمل،(24)قارعہ،

(25)زلزال ،(26)انفطار ،(27)تکویر ،(28)نجم ،(29)انشقاق ،(30)عادیات ،(31) نازعات ،(32)مرسلات ،(33)نباء ،(34)غاشیہ ،(35)فجر ،(36)قیامت ،(37)تطفیف ، (38)حاقہ ،(39)ذریت ،(40)طور ،(41)واقعہ ،(42)معارج ،(43) رحمن ،(44) اخلاص ،(45)کافرون ،(46)فلق ،(47) ناس ،(48) فاتحہ ۔

سلسلہ دوم

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے پانچویں اور چھٹے سال یعنی 617ء سے 618ء تک کی مکی سورتیں بترتیب ذیل ہیں:

(49)قمر ،(50)صفت ،(51) نوح ،(52)دھر ،(53)دخان ،(54)ق ،(55)طہ ،(56)شعرا (57)حجر ،(58)مریم ،(59) ص ،(60) یس ،(61)زخرف ،(62) جن ،(63)ملک ،(64) مومنون ،(65) انبیاء ،(66) فرقان ،(67) بنی اسرائیل ،(68)نمل ، (69) کہف۔

سلسلہ سوم

آنحضرت کی بعثت کے ساتویں سال سے ہجرت کے زمانہ تک یعنی 619ء سے 622ء تک کی مکی سورتیں بترتیب ذیل ہیں:

(70)سجدہ ،(71) فصلت ،(72) جاثیہ ،(73) نحل ، (74)روم ،(75)ہود ،(76)ابراہیم (77)یوسف ،(78)مومن ،(79)قصص ،(80)زمر ،(81)عنکبوت ،(82)لقمان ،(83) شوریٰ ،(84)یونس ،(85) سبا ،(86)فاطر ،(87) اعراف ،(88) احقاف ،(89) انعام ،(90) رعد۔

سلسلہ چہارم

مدنی سورتیں

زمانہ ہجرت سے آخر تک یعنی 622ء سے 632ء تک کی مدنی سورتوں کی ترتیب حسب ذیل ہے:

(91) بقر (92) بینہ ،(93) تغابن ،(94)جمعہ ، (95)انفال ،(96) محمد ،(97)آل عمران ،(98)صف ،(99)حدید ،(100) نساء(101)طلاق ،(102)حشر ،(103)احزاب ، (104)منفقون ،(105)نور ،(106) مجادلہ ،(107)حج ،(108)فتح ،(109)تحریم ،(110) ممتحنہ ،(111) نصر ،(112) حجرات ،(113)توبہ ،(114) مائدہ۔

آیات قرآنی کے اقتباس کرنے میں میں نے راڈویل صاحب اور پامر صاحب کے ترجموں کا استعمال کیا ہے اور بعض مقامات پر سیل صاحب اور لین صاحب نے ترجموں سے مدد لی ہے۔ نیز میں نے حسین اور شاہ ولی اللہ محدث کے فارسی ترجمہ اور عبدالقادر کے اردو ترجمہ اور خلاصتہ التفاسیر سے ان ترجموں کا مقابلہ کرکے دیکھا اور علاوہ بریں بہت سی تفاسیر کو دیکھ کر ان پر غور وفکر کرنے کے بعد مندرجہ کتاب ہذا کو صحیح قرار دیا ہے۔ ان تفاسیر میں زیادہ تر الفاظ وفقرات کے مختلف معانی کی توضیح وتشریح کا بیان مندرج ہے اور ان سے قرآن کی قراء مختلفہ وقتِ نزول اور اجزائے مرکبہ کی کچھ بہت صاف تشریح نہیں ہوتی حالانکہ علمائے اسلام میں نکتہ چینی اور چھان بین کی روح ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ ان کی تفاسیر اور تحقیقات کا دارومدار بجائے ادلہ عقلیہ کے صرف روایات پر ہے۔

کشف القرآن

باب اول

ایام مکہ

آنحضرت ﷺ کے حالات زندگی کی تفہیم نامہ کے لئے نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تمام تواریخی واقعات کا قرآن کے ان حصص سے جن سے وہ علاقہ رکھتے ہیں اچھی طرح مقابلہ کیا جائے۔ اس مقابلہ سے یہ مراد بوجہ اتم منکشف ہوجائیگا کہ قرآن نے کس طرح بتدریج زور پکڑا۔ کس نادر طور پر الہامات ومکاشفات نے حسب موقعہ موجودہ حالات سے تطابق کھایا اور آنحضرت ﷺ کے افعال اقوال متناقصہ کو سہارا دیکر اذن الہیٰ کی طرف منسوب کیا۔

سوائے اس متذکرہ بالاطریقہ کے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی جس سے آنحضرت کی متبدل حکمت عملی پر حرف نہ آئے اور خود بدولت بھی زمانہ سازی اور خلاف بیانی ومغائرت کے الزام سے محفوظ رہیں۔

قرآن کے ابواب یا سورتوں کی ترتیب ازروئے تواریخ بالکل غیر حقیقی ہے طول طویل سورتیں کتاب کے شروع میں درج کی گئی ہیں اور یہ موجودہ ترتیب ایسی غلط ہے کہ قرآن کو اول سے آخر تک پڑھنے سے بھی پڑھنے والے پر محمد صاحب کی زندگی اور ان کے افعال وکردار کا حال منکشف نہیں ہوتا بلکہ بدستور سابق بالکل مکنون ومکتوم اور سربمہر رہتا ہے اور محض پریشانی وگھبراہٹ حاصل ہوتی ہے۔

عربی اور فارسی مفسرین نے مختلف طور پر سورتوں کو مرتب کیا ہے اور علاوہ ازیں میور اور نولدیکی صاحب نے بھی کوشش کی ہے کہ قرآن کی ترتیب وتواریخی ترتیب ہو۔ چند سورتوں کے ٹھیک وقت نزول کے باب میں بہت اختلاف ہے اور بعض سورتوں کے چند حصص فی الحقیقت پورے مرکبات میں سے معلوم ہوتے ہیں یعنی ان کی چند آیات کا نازل ہونا مکہ میں بیان کیا جاتا ہے اور باقی کا مدینہ میں۔ لیکن اب ہم تمام عملی ضرورتوں کے لئے ان کو ایسی ترتیب میں مرتب کرسکتے ہیں جو حسب نزول ہو۔

صفحات ذیل میں ظاہر کیا جائیگا کہ جب تمام سورتوں کو ان کی اصلی اور حقیقی تواریخی ترتیب سے مرتب کیا جائے تو کس قدر صفائی اور صراحت سے رسول عربی کی تعلیم اور کارروائی کے سارے معمے صاف کھل جاتے ہیں ۔ قرآن کے پہلے الفاظ وہ ہیں جو کہ حضرت نے غارِ حرا میں سنے اور اب سورہ علق میں مندرج ہیں کہ پڑھ [1]۔

1۔ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ لفظ اقراء کے استعمال کے باعث بعض اوقات یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت صاحب پڑھنا جانتے تھے لیکن عام بول چال میں اس کے معنی محض پکارنے کے اور مرسلانہ بلاہٹ کے بھی ہیں جیسے نبی پکارتا ہے مثلاً عبرانی میں لفظ قارا کے معنی چلانا چنانچہ یسعیاہ 11 باب 6 آیت میں ہے آواز آئی کہ پکارا اس نے کہا کہ میں پکاروں دیکھو نولدیکی کی کتاب مسمی بہ کشختی قرآن صفحہ 9، 10 یہ سورۃ مخلوط سورتوں کا ایک کافی نمونہ ہے۔ چھٹی آیت سے لے کر ایام مکہ سے تعلق رکھتی ہے اور ابوجہل اور اس کے رفقا کی مخالفت کا ذکر اس میں اشارۃ درج ہے ۔

اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا آدمی لہو کی پھٹکی سے۔

بعض کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کو وعظ کرنے کا پہلا حکم سورہ شعرا کے گیارھویں رکوع میں ہوا یعنی ۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کر یہ الہام اول ہے جس کی منادی کا حکم ہوا لیکن اس پر یہ اعتراض یہ ہے کہ مابعد کی آیات میں لکھا ہے کہ **وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** یعنی ایمانداروں کے لئے شفقت سے اپنے بازوؤں کو جھکا پھر یہ الفاظ کہ **الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ** یعنی جب تو عبادت کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے تو کون تجھ کو دیکھتا ہے (سورہ شعرا آیت 218،219) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی مسلمانوں کی ایک چھوٹی سے جماعت موجود تھی علاوہ ازیں اس سورۃ کا طرز بیان بھی ابتدائی نہیں کیونکہ العزیزا الرحیم اور السمیع العلیم وغیرہ جملے صرف آخری سورتوں میں پائے جاتے ہیں [1]۔

1۔ نولدیکی صاحب کشختی دس قرآن صفحہ 97۔

پھر وہ زمانہ آیا جس کو فاطر کہتے ہیں جس میں کچھ نازل نہیں ہوا اور یہ زمانہ تین سال کا بیان کیا گیا ہے ۔ اس عرصہ میں حضرت کی حالت نہایت تذبذب کی تھی اور دل میں اپنی رسالت کی نسبت بہت سے شکوک پیدا ہوگئے تھے ۔ قبیلہ قریش نے جو مکہ میں نہایت زبردست قوم تھی اور جس سے آنحضرت کو فخر نسب تھا اس وقت کسی طرح کی ظاہرا مخالفت نہیں کی بلکہ وہ حضرت کو دیوانہ سمجھتے رہے کیونکہ مشرقی ممالک میں الہام والقا و دیوانگی وجنون کا ایک جزوخیال کیا جاتا تھا پس جب تک آنحضرت عام طور پر وعظ و نصیحت کرتے اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی ترغیب و تحریص دلاتے اور قیامت کا ذکر اذکار کرتے رہے تب تک تو اہلِ قریش ان کو صرف بے پروائی اور نظرِ حقارت سے دیکھتے رہے لیکن جب آپ نے کعبہ کی بت پرستی پر کھلم کھلا حملے شروع کئے اور ان کی توہین وتردید کرنی شروع کی تو معاملہ بالکل معکوس ہوگیا اور سخت مخالفت شروع ہوگئی۔ اس مخالفت کا خاص سبب یہ تھا کہ اہل کو مکہ کو اپنے قدیمی رسم ورواج کا بدلنا ازحد ناگوار تھا 1۔ یہ لوگ اس مذہب کو جس باعث شہر مکہ کو اہل عرب کے لئے ایک نہایت مقدس مقام خیال کیا جاتا تھا بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کا ازحد پاس وادب انہیں ملحوظ رہتا تھا ۔ اب تک ان کو مطلق خیال نہ تھا کہ محمد صاحب مکہ کے قدیم بت پرستوں کی رسومات کو جو وہ مانتے تھے اسلام میں داخل کرکے اس خیال کو قائم رکھیں گے علاوہ ازیں آنحضرت نے کوئی معجزہ بھی نہیں کیا تھا اور آپ کے دعووں کے ثبوت میں جو کچھ انہوں نے سنا تھا وہ آنجناب کی اپنی ہی باتیں تھیں۔

اس بات کا ظاہر کرنا کچھ دشوار نہیں ہے کہ محمد صاحب ابتدا ہی سے اپنے ہم وطنوں کی خیر خواہی کے خیالات سے موثر تھے اور ان کی یہ کوشش تھی کہ ایک ایسا طریق جاری کریں جس سے اپنے ملک کا بھلا ہو۔

1۔ نولدیکی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل مکہ کی برافروختگی کا باعث محمد صاحب کی نئی تعلیم نہیں تھی بلکہ آپ کی تعلیم میں اہل مکہ کے بزرگوں پر جو حملے کئے گئے تھے ان کے باعث وہ برافروختہ ہوئے نولدیکی قرآن صفحہ 31۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ چونکہ لوگ محمد صاحب کی باتوں کو سن کر ان کے رشتہ داروں کی حمایت کے سبب سے برداشت کرتے تھے اس لئے بزرگانِ قریش نے ان کے چچا ابوطالب سے درخواست کی کہ محمد صاحب سے ان کا باہمی عہد و پیمان کرا کر صلح وصفائی کرادیں۔ جب ابوطالب نے اپنے بھتیجے سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ بہت خوب! آپ مجھ کو ایسا کلمہ بتائیے جس کے وسیلے سے اہل عرب پر حکمرانی کروں اور اہل فارس مطیع ہوجائیں اور علاوہ بریں آپ یہ بھی کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خدا یا معبود نہیں ہے اور بتوں کی پرستش کو یک لخت ترک کردیا یوں کہیں کہ محمد صاحب کے اس جواب کا لب لباب یہ ہوسکتا ہے کہ میری تعلیم کو قبول کرو۔ اس سے تمام اہل عرب میں یگانگت پیدا ہوگی اور ان کے دشمن مغلوب ہوجائینگے ۔ چنانچہ اہل مکہ نے اس خطرے کو محسوس کرکے جواب دیا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ سلطنت ہم سے چھین لی جائیگی۔ اسلام کی ابتدائی حالت میں اس کے اس حصہ کی طرف جو ملک گیری سے علاقہ رکھتا ہے جیسا کہ چاہیئے توجہ نہیں کی گئی ۔ لہذا اہل مکہ نے خیال کیا کہ شاید یہ تعلیم محمدی کے قبول کرنے کا نتیجہ لڑائی اور اس لڑائی کا انجام شکست ہو۔ اس خیال سے ان کی مخالفت اور بھی روز افزوں ہوتی گئی۔ اب وہ آنحضرت کو دروغگو جادوگر شاعر آسیب زدہ اور فالگیر وغیرہ ناموں سے پکارنے لگے ۔ یہ لوگ یہاں تک غضبناک ہوگئے تھے کہ خاص کعبہ کے دروازہ پر بھی انہوں نے آنحضرت پر حملہ کیا۔ ایک دفعہ آنحضرت نہایت طیش میں آگئے اور فرمانے لگے کہ اے قریش کے لوگو اس بات کو یادرکھو کہ میں تلوار لیکر آیا ہوں 1۔ اس دھمکی کے مطابق عمل کرنے سے کئی سال تک آپ عاجز رہے لیکن قریش نے اس وقت اس بات کو نہ سمجھا اور دوسرے ہی روز پھر حملہ آور ہوئے اس موقعہ پر حضرت ابوبکر کو آنحضرت کی مدد کے لئے آنا پڑا۔

1۔ اس واقعہ سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے آنحضرت ﷺ کے خیالات میں معرکہ آرائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ اس روز کوئی غلام یا آزاد ایسا نہ تھا جس نے آنحضرت کو دروغگو نہ کہا ہو اور توہین وبے عزتی میں حتی المقدور کوشش نہ کی ہو۔ ان تمام تکلیفات میں آپ کے چچا ابو طالب اگرچہ آپ کی تعلیم اور آپ کے دعاوی کے قائل نہ تھے تاہم آپ کے بڑے حامی اور مددگار تھے قبیلہ قریش نے ابوطالب کو بہت کچھ کہا سنا کہ وہ آئندہ محمد صاحب کی مدد نہ کریں لیکن ابوطالب نے ان کی تمام ترغیب و کوشش کا نتیجہ اس امر میں دکھلایا کہ محمد صاحب کو کہنے اور سمجھانے لگے کہ مجھ کو اور اپنے آپ کو بچا اور مجھ پر اس قدر بوجھ نہ ڈال جس کی میں برداشت نہیں کرسکتا پر محمد صاحب اپنے

ارادے میں جمے رہے ۔ اور آخر کار ان کے چچا ابو طالب نے اپنے قریبی رشتہ کے باعث جو ان میں تھا مجبور ہو کر کہا کہ جو کچھ اچھا لگے سو کئے جا بخدا کسی حالت میں ،میں تجھ کو دشمنوں کے حوالہ نہیں کرونگا۔ حضرت ابو بکر اور آنحضرت کے چند اور پیرو جو کہ مکہ میں کسی زبردست خاندان سے علاقہ رکھتے تھے اگرچہ ان کی حقارت وبے عزتی کی جاتی تھی تاہم وہ سب کے سب ہر طرح کے شخصی خطرہ سے محفوظ تھے۔ خاندانی اتحاد و تعلقات ہر طرح کی ایذا رسانی کے مقابلہ میں ایک عمدہ پناہ گاہ تھی ۔ اچھے خاندان کے لوگ نئی تعلیم کو قبول کرنے یعنی محمدی ہونے کے بعد بھی محفوظ تھے لیکن بر خلاف اس کے اگرچہ حضرت محمد اور ان کے چند پیرو ایسے محفوظ تھے تاہم جو لوگ غلاموں اور ادنیٰ قبائل عرب سے ایمان لائے تھے اور جن کے سر پر اہل مکہ کے زبردست سرداروں کی حفاظت کا سایہ نہ تھا نہایت ستائے جاتے اور قید خانوں میں ڈالے جاتے تھے۔ محمد صاحب اس حالت میں ان کے ساتھ بہت ہمدردی ظاہر کرتے تھے اور اکثر اوقات ان کو ترغیب دیتے تھے کہ یہاں سے بھاگ جاؤ اور اپنے آپ کو اس ایذا وعذاب سے محفوظ رکھو۔ ایک دن آپ کی ایک شخص عمرو نامی سے جو کہ رورہا تھا ملاقات ہوئی۔ آپ کی باز پرس کے جواب میں اس نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر میں آپ کی توہین اور ان کے معبودوں (بتوں کی تعریف نہ کروں تو میری رہائی ناممکن ہے آپ نے فرمایا کہ تو اپنے دل کو کیسا پاتا ہے ؟یعنی تیرے دل کا کیا حال ہے) اس نے عرض کی کہ میرا دل اخلاص سے ایمان پر قائم ہے ۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ تجھ پر پھر ظلم کریں تو جس طرح وہ تجھ سے اقرار کرانا چاہیں کردیجیو اور جو کچھ تجھ سے کہلانا چاہیں کہہ دیجیو۔

اس قسم کے لوگوں کا بیان جن سے زبردستی کفارہ اسلام کا انکار کرواتے تھے قرآن میں بھی مذکور ہے چنانچہ سورہ نحل میں مرقوم ہے مَن كَفَرَ بِاللّهِ مِن بَعْدِ إيمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ یعنی جس شخص نے ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کیا جبکہ اس کو زبردستی مجبور کیا گیا اور وہ دل میں ایمان پر قائم رہا تو اس کا کچھ گناہ نہیں ہے ۔ (سورہ نحل 14 رکوع آیت 106)۔

اس موقع پر جبکہ آنحضرت کا دل تفکرات کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح جن میں خاص حضرت محمد کی طرف خطاب تھا اور سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص لوگوں کی طرف خطاب کرکے آپ کی تسلی کے لئے نازل ہوئیں چنانچہ ان میں مندرج ہے **وَالضُّحَىوَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىمَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىوَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى** (سورہ الضحیٰ آیت 1تا3)، أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَوَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَالَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَوَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَفَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًاإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًافَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْوَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ(سورہ الانشراح)۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَلَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَوَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُوَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْوَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَاأَعْبُدُلَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (سورہ الکافرون) یعنی قسم ہے دوپہر کی روشنی کی اور قسم رات کی جس وقت کہ اس کی تاریکی چھا جاتی ہے ۔ تیرا خدا تجھ سے ناراض نہیں ہے اور اس نے تجھے ترک نہیں کیا۔ یقیناً آئندہ گذشتہ سے بہتر ہوگا۔ کیا ہم نے تیرے لئے کوئی نہیں کھول دیا تیرا سینہ اور تجھ سے تیرا بوجھ ہم نے نہیں لے لیا جس سے تیری کمر ٹوٹ رہی تھی ؟ اور کیا ہم نے تیرے مذکور کو بلند نہیں کیا؟ سوالبتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے پھر جب فارغ ہو تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف دل لگا ۔ کہہ دے کہ اے کافرو جس کی تم پرستش کرتے ہو میں اس کو نہیں پوجتا اور جس کو میں پوجتا ہوں تم اسکو نہیں پوجتے جس کی تم پوجا کرتے ہو میں اسے کبھی نہیں پوجونگا اور وہ جس کی میں پوجا کرتا ہوں تم اس کو نہیں پوجوگے۔ پس تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین کافی ہے۔1* کہہ دے کہ خدا ایک ہی خدا ازلی ہے وہ کسی کو جنتا نہیں ہے اور نہ کسی نے اس کو جنا ہے اور اسکی مانند کوئی نہیں ہے 2*۔اسی طرح ان سورتوں سے پژمردگی اور کمال کے زمانہ میں آنحضرت کی کھلم کھلا الہامات سے ہمت بڑھ گئی اور بڑے زور شور سے بت پرستی کی تردید اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے خیالات میں مصروف ومشغول ہوئے۔

1*۔ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ اہل مکہ میں سے ایک سردار نے یہ بات پیش کی تھی کہ محمد صاحب کے خدا کی بھی اسی وقت پرستش ہوا کرے جس وقت دیگر اہلِ مکہ کے معبودوں کی ہوتی ہے یا ہر سال باری باری ہوا کرے۔ حضرت محمد اس دام تزویر میں نہ پھنسے اور اس سورۃ میں قدیمی بت پرستی کی صاف تردید کی اور دوسری سورۃ میں خدا تعالیٰ کی توحید اور وحدانیت پر نہایت پرزور گواہی دی۔

2* قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌاللَّهُ الصَّمَدُلَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْوَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ

سلسلہ وار سورتوں میں سے جب فاطر ختم ہوگئی تو سورۃ الاثر 1*نازل ہوئی جس کے بعد الہامات ومکاشفات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ حضرت محمد پر لوگ تمسخر اڑاتے اور شاعر ۔ فالگیر اور ملحد وغیرہ کے ناموں سے نامزد کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اپنی لغو

بیانی اور بیہودہ گوئی سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے پھر یہ الفاظ کہ یَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُقُمْ فَأَنذِرْ یعنی اولحاف میں لپٹے ہوئے اٹھ اور لوگوں کو خبردار کر (سورہ مدثر کی پہلی آیت) اس امر پر صاف دلالت کرتے ہیں کہ اس کو بلاپس وپیش کئے وعظ نصیحت کرنے کا حکم ملا۔

اہل مکہ نہایت تند اور سر کش تھے اور مفسر ابن عباس کے بیان کے مطابق حضرت محمد کی مخالفت میں ان کا سر گروہ مکہ کا ایک بڑا بھاری رئیس ولید بن مغیرا تھا جس کا ذکر ذیل کی ملامت آمیز آیات میں اشارتاً کیا گیا ہے ۔ چنانچہ سورہ مدثر کی 11آیت سے یوں شروع ہوتا ہے کہ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًاوَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًاوَبَنِينَ

1*۔اہل اسلام کے عام مفسرین کا اس امر میں اتفاق ہے کہ سورہ فاطر کے بعد پہلے یہی صورت نازل ہوئی تھی اور پہلی سات آیات اس امر کی تائید کرتی ہیں کیونکہ آٹھویں آیت میں جملہ نقر فی النققور پہلی سور توں سے مطابقت نہیں رکھتا لیکن ساتھ ہی یہ سورۃ مخلوط المضمون معلوم ہوتی ہے کیونکہ 11آیت میں مندرج ہے کہ چھوڑدے مجھے کو اور جس کو میں نے پیدا کیا اکیلے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان مخالفوں کی طرف اشارہ ہے جو کافروں میں سے تھے اور کہتے ہیں کہ اس سے ولید بن مغیر امراد ہے ۔ 31،34ویں آیت تک ان مخالفوں کا ذکر ہے جو مدینہ میں تھے اور ان میں یہودی منکر ریاکار اور بت پرستی بھی شامل ہیں۔ ان گروہوں کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں ضرور اس آخری زمانہ اس سورۃ میں درج کی گئی ہونگی۔

شُهُودًاوَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًاثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَكَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًاسَأُرْهِقُهُ صَعُودًاإِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ

1*یعنی چھوڑدے مجھ کو اور اس شخص کو جس کو میں نے پیدا کیا اور اکیلے اور دیامیں نے اس کو پھیلا کر اور اس کے بیٹے اس کے سامنے بودوباش کرتے ہیں۔ اور میں نے تیار کردی اس کو خوب تیاری پھر لالچ کرتا ہے کہ میں اس کو اوروں۔ کوئی نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف ۔ اب اسے چڑھاؤنگا بڑی چڑھائی ۔ اس نے سوچ کیا اوردل میں ٹھہرایا۔ سومار اجائیو کیسا ٹھہرایا۔

ولید بن مغیرا نے کہا تھا کہ حضرت محمد کا کلام جس کو وہ کلام الہیٰ کہتا ہے محض انسانی کلام ہے اور اس کو وہ خود سحری تاثیر کے ساتھ بیان کرتا ہے ۔ چنانچہ اس پر اسکے حق میں یہ فتویٰ سنایا گیا کہ سَأُصْلِيهِ سَقَرَوَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُلَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُلَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ یعنی اب اس کو ڈالونگا آگ میں اور تونے بوجھا کیاہے وہ آگ ؟ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے ۔ نظر آتی ہے پنڈے پر(سورہ مدثر 26-29)۔

پھر سورہ قلم میں اسی شخص کے حق میں لکھا ہے کہ حَلَّافٍ مَّهِينٍهَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍمَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍعُتُلٍّ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍأَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَسَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ یعنی ۔ قسمیں کھانا والا بے قدر طعنے دینا چغلی کرتا پھرتا ہے بھلے کام سے روکتا ۔ حد سے بڑھتا ۔ بڑاگھنگار اس سب کے پیچھے بدنام جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ توپہلوں کی نقلیں ہیں اب داغ دینگے ہم اس کی سونڈ پر۔

1*۔یہ ترجمہ شیخ عبد القادر ابن شاہ ولی اللہ دہلوی کا ہے۔

آنحضرت کا ایک اور سخت مخالف آپ کا چچا ابولہب تھا جس نے اپنی زوجہ سے آپ کی مخالفت کے لئے تحریک پائی اور نہایت برافروختہ ہوکر آپ کے دعوے کی تردید میں بڑے زور وشور سے مصروف ہوا۔ سورۃ اللھب میں ابولہب اور اس کی زوجہ دونوں کے حق میں نہایت سخت لعنت سنائی گئی چنانچہ لکھاہے کہ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّمَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَسَيَصْلَى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍوَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِفِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ یعنی ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ نہ کام آیا اس کا مال اور نہ جو کمایا۔ اب شعلہ زن بھڑکتی ہوئی آگ تاپیگا اور اسکی جورو بھی جو سر پر ایندھن لئے پھرتی ہے۔ اور اس کی گردن میں کھجور کے پٹھے کی رسی ہے 1*۔

سورۃ الھمزہ اجناس ابن شریف ایک مالدار آدمی کی مخالفت میں نازل ہوئی اور یہ بھی اسی زمانہ سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ نولدیکی کے بیان سے معلوم ہوتاہے کہ بہت سے علماء اسلام اس کو ایام مدینہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس سورۃ کی عبارت یوں ہے کہ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ

1*۔اگروہ سب کچھ جو احادیث میں ابولہب کی نسبت بیان کیا گیاہے ٹھیک ہے تو یہ سورۃ نہایت دلچسپ اور قابل لحاظ ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس حالت میں حضرت محمد تھے کس قدر قرآن کے الفاظ پر بھی ان کا اثر معلوم ہوتا ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی قوم کے لوگوں کو بلایا اور ان کے سامنے اپنے دعاوی کو پیش کیا ۔ ابولہب نہایت برافروختہ ہوا اور کہنے لگا کہ کیا تونے مجھ کو اس لئے بلایا ہے؟ تو ہلاک ہووے کہہ کر ابولہب نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک پتھر اٹھا کر محمد صاحب کی طرف پھینکا جس پر اس کے حق میں یہہ کہا گیا کہ تیرا ہاتھ ٹوٹ جاوے۔ ابولہب کی زوجہ ام جمیل نے آپ کے راستے میں کانٹے ڈال دیئے۔ ایک دن وہ ایندھن کی لکڑیوں کا گھٹا سر اٹھائے ہوئے جارہی تھی اور رسی اس کی گردن میں پڑی ہوئی تھی اور وہ گلاگھونٹ کر مر گئی اس پر اسے آنحضرت نے

پھانسی ملی ہوئی کے نام سے نامزد کیا۔ سورۃ لھب میں ابولہب کے نام مضحکہ اڑایا گیا ہے کیونکہ ابولہب کے معنی شعلوں کا باپ ہیں۔

لُّمَزَةٍالَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُيَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُكَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِوَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُنَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُالَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ یعنی خرابی ہے ہر طعنہ دینے اور عیب چننے والے کی۔ جس نے سمیٹا مال اور گن گن رکھا کیا خیال رکھتا ہے کہ اسکا مال سدا رہیگا اس کے ساتھ ؟ کوئی نہیں۔ اس کو پھینکا ہے آگ والی میں۔ اور تو کیا بوجھا کیا ہے وہ روندنے والی ؟آگ ہی اللہ کی سلگائی ہوئی جھانک لیتی ہے دل کو۔

پھر سور علق میں آپ کے ایک اور سخت مخالف ابوجہل 1* کے حق میں مرقوم ہے کہ كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىأَن رَّآهُ اسْتَغْنَى یعنی کوئی نہیں آدمی سر چڑھتا ہے یہ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو محفوظ دیکھتا ہے۔ (سورہ علق آیت 6،7)

بیضاوی فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے آنحضرت کو یہ دھمکی دی تھی کہ جب آپ نماز میں سجدہ کررہے ہونگے تو اس وقت آپ کی گردن پر کھڑا ہوجائیگا۔ 2*

پھر سورۃ الحج کی 8ویں آیت میں یومندرج ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ یعنی ایک شخص ہے جو جھگڑتا ہے ان کی بات میں بن خبر بن سوجھ اور بغیر روشن کتاب کے ۔واضح رہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے اور اس کا حوالہ تواریخی اور زمانہ گذشتہ سے تعلق رکھتا ہے ۔ لاکن بعد کی سورتوں میں بھی اس قسم کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ بعد کی ایک مدنی سورۃ یعنی سورۃ الانفال کی 49 ویں آیت میں لکھا ہے کہ وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ خَرَجُواْ مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاء النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ وَاللّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ یعنی مت ہو جیسے وہ اہل مکہ جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے اور اللہ کے قابو میں ہی جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اس تمام مخالفت کے مقابلہ میں حضرت محمد کو فقط یہ کھنے کا ارشاد ہوا کہ وہ خدا کی طرف سے ہے چنانچہ سورہ قلم کی دوسری آیت میں سطور ہے مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ یعنی اے محمد تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے۔

اب ایک دو سال کے عرصہ میں وحی آسمانی کا خیال زیادہ تر تکمیل کو پہنچ گیا اور آنحضرت صحت بیان اور درستی کا نہایت مستعدی اور سرگرمی سے دعویٰ ہونے لگا۔ ان الہامات کی عبارت کی نسبت صرف اسی پر اکتفا نہیں کی گئی کہ اس کو کلام اللہ اور اسکے الفاظ کو خدائے تعالیٰ کے الفاظ کہیں بلکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عرش معلیٰ پر ازل سے یہ کلام موجود تھا۔ چنانچہ سورہ بروج کی اکیسویں آیت میں پایا جاتا ہے کہ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌفِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ یعنی یہ بڑی شان و عظمت والا قرآن ہے جو کہ لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہے۔

لوح محفوظ کی نسبت یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک خفیہ تختی ہے جو اللہ جل جلالہ کے تخت بریں اور عرش معلیٰ کے پاس ہے۔ چنانچہ سورہ عبس کی 13 ویں آیت اور 14 ویں آیت میں یوں لکھا ہے فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍمَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍبِأَيْدِي سَفَرَةٍكِرَامٍ بَرَرَةٍ یعنی لکھی ادب کے ورقوں میں۔ اونچے دھری ستھری۔ ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو سردار ہیں نیک۔ مفسر زمکشاری اس کا یوں بیان کرتا ہے کہ لوح محفوظ سے نقل کرکے شیاطین کے ہاتھوں سے پاک اور محفوظ رکھا گیا اور صرف پاک فرشتگان ہی اسے چھوسکتے تھے۔ اب آنحضرت کی بڑے شدومد سے مخالفت ہونے لگی اور ابتدائی زمانہ کی مکی سورتوں میں سے سورۃ المرسلت میں اس مخالفت کے مقابلہ میں نہایت زجرو توبیخ کی گئی۔ پچاس آیت میں دس دفعہ یہ فقرہ دہرایا گیا ہے کہ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ یعنی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ انتالیسویں آیت سے حضرت محمد کا مخالفین کو مقابلہ کے لئے پکار ناثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ یوں لکھا ہے کہ فَإِن كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ یعنی اگر تمہارا کچھ دعویٰ ہے تو مجھ پر چلالو 1* ۔

پھر اس زجرو عتاب کا خاتمہ اس سخت خطاب سے یوں ہوتا ہے کہ انطَلِقُوا إِلَى مَا كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَانطَلِقُوا إِلَى ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍلَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ یعنی جس دوزخ کو تم جھٹلاتے تھے اب اس میں داخل ہو اور ایک سایہ کی طرف چلو جو کہ تین پھانکوں والا ہے اور تپش کے دن کسی کام نہیں آسکتا۔

1*۔ابوجہل جنگ بدر میں قتل کیا گیا۔

2*۔راڈویل کا قرآن صفحہ 2۔

پھر سورۃ النبا میں 21 ویں آیت سے 23 ویں آیت تک اسی مضمون پر یوں مرقوم ہے إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًالِلطَّاغِينَ مَآبًالَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًالَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًاإِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًاجَزَاء وِفَاقًاإِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًاوَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا یعنی کہ بیشک دوزخ ہے تاک

1*۔ ایسے ہی سورۃ الطارق کی 15 ویں اور 16 ویں آیت میں مسطور ہے کہ وہ تیرے خلاف بندشیں باندھتے ہیں اور میں انکے خلاف بندش باندھونگا ۔ بعض اس سورت کو حبشستان کی طرف مہاجرت کے وقت خیال کرتے ہیں۔ اس تعلق میں ابتدائی مدنی سورتوں میں سے سورہ اعراف کی 23 ویں آیت قابل لحاظ ہے ۔

2*۔ اس سے ابتدائی مکی سورتوں کے بحور وقوانی اور انکے طرز بیان کا کس قدر اندازہ ہوسکتا ہے ۔

میں شریروں کا ٹھکانہ ۔ رہتے ہیں اس میں قرنوں۔ نہ چکھیں وہاں کچھ مزا ٹھنڈک کا اور نہ کچھ پینے کو ملے مگر گرم پانی اور بہتی پیپ ۔ بدلہ ہے پورا ۔ کیونکہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے اور ہماری آیات کو جھٹلایا اور واہیات کے نام سے نامزد کیا۔ اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے لکھ کر۔ اب چکھو! ہم تم پر سوائے مار کے اور کچھ نہیں بڑھائینگے۔

سورہ بروج میں ان مظالم کا جو شروع میں معتقدانِ اسلام کا حصہ تھے اور مومنین کو ستانے اور اذیت پہنچانے والوں کے سزا یاب ہونے کا ذکر یوں ہے کہ جہنم کا عذاب اور اس کی سوزش ان کے (مخالفین کے) انتظار میں ہیں 1*۔ جنہوں نے آنحضرت کی مخالفت اختیار کی ان کے حق میں اس تمام سخت گوئی کو قائم کرنے کے لئے سامعین سے یوں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت صاحب کی اپنی باتیں نہیں ہیں بلکہ قرآن مجید کی آیات ہیں جو کہ لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہے یعنی یہ خود خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔

اس قسم کی عام ملامت سے جو کفارہ کی آئندہ بدحالی کا بیان کرتی تھی بعض اوقات چند روزہ وبال اور اسی دنیا میں عذاب نازل ہونے کی دھمکی کا کام لیا جاتا تھا۔ جس طرح زمانہ قدیم میں خدا تعالیٰ نے کسی شہر کو برباد نہیں کیا جب تک کہ پہلے اس میں اپنی طرف سے رسول نہ بھیجے اسی طرح اب بھی ہوگا۔ چنانچہ سورہ شعرا کے 11 ویں رکوع میں یوں لکھا ہے کہ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَذِكْرَى وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ یعنی کوئی بستی نہیں کھپائی ہم نے جس کو نہ تھے ڈر سنانے والے یاد

1*۔ اگر 8 ویں آیت سے 11 ویں آیت تک بعد میں نازل ہوئی ہوں جن سے کہ طرز بیان میں کچھ تبدیلی متصور ہوسکے تو یہی مطلب مراد ہوسکتا ہے۔

دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ظلم کرنا۔ پھر سورۃ حجر کی چوتھی اور پانچویں آیات میں یوں مندرج ہے کہ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلاَّ وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌمَّا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ یعنی کوئی بستی ہم نے نہیں کھپائی مگر اسکا لکھا تھا مقرر۔ نہ شتابی کرے کوئی فرقہ اپنے وعدہ سے اور نہ دیر کرے۔ جب ان کے دل سخت ہوگئے اور ایمان نہ لائے تو ان پر نگہبان ایسی حالت میں دردناک عذاب نازل ہوا جبکہ وہ بالکل گمان نہ کرتے تھے۔ 1*۔

ممکن ہے کہ اہل مکہ پر کچھ عرصہ کے لئے عذاب مذکورہ کی نسبت بار بار سننے سے کچھ رعب وخوب چھا گیا ہو لیکن جب مدت تک کوئی عذاب نازل نہ ہوا تو ان کی حیرت دور ہوگئی اور بے ایمانی بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ وہ اب آنحضرت کی معاتب تقریروں کے مقابلہ میں بہت برا بھلا کہنے لگے اور عذاب موعودہ کے خواستگار ہوئے اور اختیار من اللہ کے ثبوت میں معجزات طلب کرنے لگے۔ اب وہ یہ یوں کہنے لگے لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الأَرْضِ يَنبُوعًاأَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الأَنْهَارَ خِلالَهَا تَفْجِيرًاأَوْ تُسْقِطَ السَّمَاء كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللّهِ وَالْمَلآئِكَةِ قَبِيلاً یعنی ہم نہ مانینگے تیرا کہا جب تک تو بہا نکالے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ یا ہوجاوے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہالے تو اس کے بیچ نہریں چلا کر۔ یا گرادے آسمان پر ہم جیسا کہا کہ کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے ۔ یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن (سورہ بنی اسرائیل 90,93)۔ پھر سورہ رعد کی آٹھویں آیت میں یوں لکھا ہے کہ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُواْ لَوْلآ أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ یعنی اور منکر کہتے ہیں۔ کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے ؟

1*۔ دیکھو سورہ شعراء آیات 201و202

حضرت محمد کو اس امر کا اقرار کرنا پڑا کہ اس کے پاس اس قسم کا کوئی نشان نہ تھا۔ لیکن آنحضرت نے ایک اس مضمون کا الہام پیش کیا کہ خدا تعالیٰ مکہ سرکش لوگوں پر کسی قسم کا کوئی نشان ظاہر نہیں فرمائیگا چنانچہ اس امر کے اظہار کے لئے جس کو آپ محض خام خیالی خیال فرماتے تھے انجام تک نہیں پہنچ سکتی سورہ حجر کی 8 ویں آیت میں یوں بیان فرمایا ہے مَا نُنَزِّلُ الْمَلائِكَةَ إِلاَّ بِالحَقِّ وَمَا كَانُواْ إِذًا مُّنظَرِينَ یعنی ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو مگر کام ٹھہرا کر اور اس وقت ان کو مہلت نہ ملیگی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان لوگوں کے واقعات دیکھ کر جو ان سے پیشتر گذر گئے ہیں ایمان نہیں لاتے اور اگر حال کے پیغمبر اور اس کے عبرت انگیز پیغام کو رد کرتے ہیں تو وہ پھر اور کسی طرح سے ایمان نہیں لائینگے چنانچہ سورہ حجر کی 14 اور 15 آیت میں یوں مرقوم ہے وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاء فَظَلُّواْ فِيهِ يَعْرُجُونَلَقَالُواْ إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ یعنی اگر ہم کھول دیں ان پر دروازے آسمان کے اور تمام دن چڑھتے رہیں تو آخر یہی کہینگے کہ ہماری نگاہ ہی بند ہو گئی ہے اور ہم پر جادو کیا گیا ہے۔ اس قسم کی آیات میں سے سب سے بڑھ کر وہ آیت ہے جو کہ ایام مکہ کے وسط میں نازل ہوئی اور جس میں یوں استدلال کیا گیا ہے کہ آنحضرت کو معجزات کی طاقت دینا بالکل بے سود تھا۔ 1* کیونکہ اس قسم کے انعام اور بخششیں انبیائے سلف کے وقت میں صاف طور پر بے فائدہ ثابت ہو چکی تھیں۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کے چھٹے رکوع میں اس طرح مرقوم ہے وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالآيَاتِ إِلاَّ أَن كَذَّبَ بِهَا الأَوَّلُونَ یعنی اور ہم نے اسی سے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا۔ مخالفین نے معجزہ طلب کرنے میں اصرار کیا پر آپ یہی کہتے رہے کہ قرآن بذاتہ ایک خاص معجزہ ہے اور اسی کو مہر نبوت گردانتے رہے۔

قیامت کی تعلیم کو اہل مکہ محض توہمات تصور کرتے تھے۔ جب اس سلسلہ میں آیات نازل ہوئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب کچھ محمد صاحب نے ان لوگوں سے سنا ہوا ہے جو کہ اور ملکوں سے آکر مکہ میں بودو باش کررہے ہیں۔ اور یہ سب باتیں اگلے لوگوں کی کہانیاں اور شاعرانہ خیال کا نتیجہ ہیں۔ سورۃ المطففین 1* جو کہ آنحضرت کی بشارت کے شروع میں مکہ میں نازل ہوئی تھیں اس کی 10ویں آیت سے 17 ویں آیت تک یوں مرقوم ہے کہ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍلِّلْمُكَذِّبِينَالَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِوَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَكَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَكَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ یعنی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی جو جھوٹ جانتے ہیں انصاف کا دن اور اس کو جھٹلاتا

1*۔ اس امر کے بیان کی کچھ ضرورت نہیں کہ آنحضرت معجزات کے دکھانے سے قاصر رہے کیونکہ قرآن میں یہ امر نہایت صفائی سے مندرج ہے پر تعجب ہے کہ علمائے اسلام اس کو نہیں مانتے سیل کا رسالہ عقیدہ اسلام صفحہ 218۔

1*۔ بعض مفسرین اس سورت کو مدنی بیان کرتے ہیں اور بعضوں کا خیال ہے کہ یہ بعد کی مکی سورتوں میں سے ہے لیکن میور اور نولدیکی اس کو آنحضرت کی بشارت کے چوتھے سال کی مکی سورتوں میں شمار کرتے ہیں۔

ہے وہی جو بڑھ چلنے والا گنہگار ہے۔ جب سنائی جاتی ہیں اس کو ہماری آئتیں کہتا ہے کہ یہ پہلو کی نقلیں ہیں۔ بے شک انکی بدکاری ان کے دلوں پر غالب ہے۔ البتہ وہ اس دن اپنے رب سے روکے جائینگے۔ پھر وہ ضرور آتش دوزخ کا لقمہ ہونگے۔ پھر ان سے کہا جائیگا کہ یہ وہی ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے۔

اگر یہ خیال کیا جائے کہ مذکورہ بالاآیات ایک ابتدا کی صورت سے اقتباس کی گئی ہیں تو پھر کچھ آگے چل کر یہی عبارت جس کا نازل ہونا مکہ ہی میں ثابت ہے سورہ فرقان کی پانچویں آیت میں مندرج ہے۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاؤُوا ظُلْمًا وَزُورًاوَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ترجمہ۔ اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں یہ مگر جھوٹ باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے کہ اس میں اس کا اور لوگوں نے سو آئے بے انصافی اور جھوٹ پر اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جو لکھ لیا ہے اور لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح اور شام۔

ابتدائی زمانہ کی مکی سورتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کی عبارت نہایت فصاحت سے پر اور شاعرانہ رنگ میں رنگی ہوئی ہے تاہم آنحضرت کے دل پر شکوک کے بادل چھارہے تھے۔ جن قسموں کی ذریعہ سے آپ اپنی تعلیم کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانا چاہتے تھے نہایت عجیب اور قابل غور ہیں۔ آنحضرت کے اس زمانہ کی طرز زندگی کو وہ سخت اور قہر آلودہ حملے جو آپ نے مخالفین پر کئے نہایت صفائی سے ظاہر کرتے ہیں۔ 1* تمام قرآن میں یہ سورتیں سب سے عمدہ ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد کے جوش وخروش اور تشویش کی کچھ حد نہ تھی۔ آپ نے اہل مکہ سے ان کے حقوق پیش کرکے صلح کی درخواست کی۔ چنانچہ سورہ فیل میں یوں لکھا ہے أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِأَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍوَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَتَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍفَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ترجمہ کیا تونے نہیں دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں سے ؟ نہ کردیا ان کا داؤ غلط ؟ اور ان پر ابابیل پرندوں کو بھیجا۔ پھینکتے ان پر پتھریاں کنکر کی۔ پھر کر ڈالا ان کو جیسا بھس کھایا ہوا۔

1* دیکھو نولدیکی کا تشختی دس قرآن صفحہ 60,78

اس مذکورہ بالاسورۃ میں اہل مکہ کے اس لشکر جرار سے رہائی پانے کی طرف اشارہ ہے جو شاہ حبش (نجاشی) کی طرف سے آنحضرت کی پیدائش کے وقت کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ پھر سورۃ القریش کی تیسری اور چوتھی آیات میں کعبہ شریف اور اس کے علاقہ کی حفاظت کا یوں ذکر ہے فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِالَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ترجمہ: تو چاہیئے بندگی کریں اس گھر کے رب کی جس نے کھانا دیا اور ان کو بھوکھ میں اور امن دیا ڈر میں۔ نیز سورۃ التین کی پہلی تین آیات اور سورہ طور کی پہلی چار آیات میں بھی اسی امر کو حلفاً پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ التین میں مرقوم ہے۔ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِوَطُورِ سِينِينَوَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ترجمہ قسم انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور شہر امن والے کی اور سورہ طور میں مندرج ہے وَالطُّورِوَكِتَابٍ مَّسْطُورٍفِي رَقٍّ مَّنشُورٍوَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ترجمہ: قسم ہے طور کی اور لکھی کتاب کی کشادہ ورق میں۔ اور آباد گھر کی۔

ان متذکرہ بالاحوالجات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد اپنے ایام مکہ کے آغاز میں کعبہ کی جو اہل عرب کا مقدس مقام تھا نہایت تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

اب حضرت محمد نے ایک نئے پیرایہ تقریر کو اختیار کیا اور انسانی طبعیت کے حیوانی وشہوانی پہلو کی طرف مائل ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے پست ہمت اور خستہ خاطر پیروں کی جماعت کی ہمت بڑھانے کے لئے بہشتی خوشیوں یعنے عروسی پلنگوں مشک وکستوری اور شراب طہور کا نقشہ کھینچ دکھایا اور بیان کیا کہ بہشت کی خاص خوشیوں میں سے مومنین کے لئے ایک بڑی خوشی یہ بھی ہوگی کہ جب وہ عروسی سیجوں پر حور وغلمان کے ساتھ عیش کرینگے اور متلذذ ہونگے اس وقت کفار پر نظر کرینگے اور ان کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر ازراہ حقارت ہنسینگے۔ اس بیان کو مفسرین یوں سمجھاتے ہیں کہ بہشت اور دوزخ کے درمیان ایک دروازہ کھولا جائیگا اور دوزخیوں کو اس کھلے دروازہ کی طرف بلایا جائیگا۔ وہ بڑی امید وآرزو سے بھاگتے ہوئے آئینگے لیکن جونہی کہ وہ دروازہ پر پہنچینگے دروازہ بند ہوجائیگا۔ اس پر اہل جنت جو کہ نفسانی خوشیوں میں مشغول ہونگے اہل جہنم کی مایوسی پر مضحکہ اڑائینگے اور اسی طرح اپنی عیش عشرت کو دو بالا کرینگے۔ اس وقت بہشت و دوزخ کے نقشے نہایت مشرح اور واضح طور پر بیان کئے گئے تھے اور اس سے محض یہی غرض نہ تھی کہ ابتدائی زمانہ کے مسلمان اپنی مشکلات میں ہمت نہ ہاریں بلکہ کفارہ ومخالفین کو مرعوب ومغلوب کرنا بھی بدرجہ عنایت ملحوظ ومتصور تھا۔ بہشت کی خوشیاں یہ ہیں کہ وہاں ہر طرح سے آرام وآسائش مہیا ہوگی اہل جنت کا لباس حریری ہوگا۔ خوشبو اور شراب بکثرت ہوگی۔ پلانے کے لئے نہایت خوبصورت غلام خدمت میں کھڑے ہونگے اور علاوہ اس کے یہ تمام عیش وعشرت منانے کا موقع ایسا ہوگا کہ وہاں کے نظارہ سے حواس میں فرحت اور تازگی پیدا ہوگی۔ بہشت کے اس تحریص دہ بیان کی کشش کی تکمیل کے لئے ذیل کی آیات پیش کی جاتی ہیں۔ اول سورۃ النبا میں 31 سے 34 آیت تک یوں لکھا ہوا ہے۔ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًاحَدَائِقَ وَأَعْنَابًاوَكَوَاعِبَ أَتْرَابًاوَكَأْسًا دِهَاقًا یعنی بے شک ڈروالوں کو مراد ملنی ہے۔ باغ ہیں اور انگور اور نوجوان ونارپستان عورتیں ایک عمر کی سب۔ اور پیالہ چھلکتا۔ دوم سورۃ الواقعہ کی 22 اور 34 آیات میں مندرج ہے۔ وَحُورٌ عِينٌكَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِفَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًاعُرُبًا أَتْرَابًا ترجمہ: اور گوریاں بڑی آنکھوں والیاں برابر لپٹے موتی کے۔ ہم نے دی عورتیں اٹھائیں ایک اٹھان پر۔ پھر کیا ان کو کنواریاں۔ سوم سورۃ الطور کی 20 ویں آیت میں مسطور ہے مُتَّكِئِينَ عَلَى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ترجمہ لگے بیٹھے تختوں پر برابر بچھی قطار۔ اور بیاہ دیں ہم نے ان کو گوریاں بڑی آنکھوں والیاں۔ پھر سورۃ الصافات جو کہ ایام مکہ کے وسط کی خیال کی جاتی ہے اس کی 40 آیت سے 47 آیت تک میں یوں مرقوم ہے کہ أُوْلَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌفَوَاكِهُ وَهُم مُّكْرَمُونَفِي جَنَّاتِ النَّعِيمِعَلَى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَيُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِن مَّعِينٍبَيْضَاء لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَلَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَوَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌكَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ترجمہ: جو ہیں ان کو روزی ہے مقرر۔ میوے اور ان کی عزت ہے۔ باغوں میں نعمت کے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے۔ لوگ لئے پھرتے ہیں ان کے پاس پیالہ شراب ستھری کا۔ سفید رنگ مزادیتی پینے والوں کو۔ نہ اس سے سر پھرتا ہے اور نہ اس سے بھکتے ہیں اور ان کے پاس ہیں عورتیں نیچی نگاہ رکھتیاں بڑی آنکھوں والیاں گویا انڈے ہیں چھپے دھرے۔ بہشت کے اس بیان کی نسبت گبن صاحب طنزاً فرماتے ہیں کہ حضرت محمد نے اہل جنت کے ہم صحبتان ذکور کا بالکل بیان نہیں کیا اور اس کی تشریح سے اس لئے کترا گئے کہ مبادا پہلے شوہروں کے دلوں میں حسد کی آگ مشتعل ہو یا شاید نکاح کے ابدی اور دائمی رشتہ کے شکوک سے کسی طرح ان کے آرام وآسائش میں خلل واقع ہو۔ جبکہ سب مومنین اور مومنات بہشت میں دوبارہ شباب کے عالم میں ہونگے تو انصاف اس امر کا متقاضی ہے کہ اناث کو بھی وہی آزادی اور حقوق حاصل ہونے

چاہئیں جو کہ ذکور کو ہونگے پر آنحضرت اپنی تعلیم کے اس صحیح اور صریح نتیجہ کو صاف اڑا گئے اور اس کے بیان سے عمداً پہلو تہی کیا۔

بہشت کے اس مذکورہ بالا بیان کی نسبت اب خواہ مخواہ یہ سوال پیش آتا ہے کہ آیا یہ فی الواقعہ لفظی طور پر صحیح اور درست ہے یا اس سے کوئی ایسا بہشت مراد ہے جس کا یہاں تشبیہ اور استعارہ کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ مسلمان حکما اور عارفین نے اس کو بہت کچھ تشبیہ واستعارہ کے پیرایہ میں رکھ کر حتی المقدور مہذبانہ صورت میں پیش کیا ہے اور زمانہ حال کی مہذب اور شائستہ اسلامی جماعت کے لئے جو کہ مسیحیوں کی تہذیب اور مغربی تعلیم سے اثر پذیر ہورہی ہے۔ یہ ایک نہایت ضروری اور طبعی امر ہے کہ اس قسم کی رنگین بیانیوں کو اچھی صورت میں پیش کرے لیکن یہ ماننا کہ حضرت محمد کا یہی مطلب تھا یا ان کے سامعین نے اس وقت یونہی سمجھا بعید از فہم اور نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ حضرت محمد کا دل بدرجہ غایت عملی تھا اور اس میں عرفان وتصوف کا نام بھی نہ تھا۔ انتظام دینوی اور انسانی انسداد میں آنحضرت کو کوئی مشکل نظر نہ آتی تھی اور اس قسم کے امور کو آپ کسی صورت میں رازومعمانہ سمجھتے تھے۔ جہنم کے عذاب کا بیان حرف بہ حرف صحیح اور حقیقی خیال کیا جاتا ہے اور کوئی بھی اس امر کی کوشش نہیں کرتا کہ اس کو تشبیہات واستعاروں کے پیرایہ میں پیش کرے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بہشت کی خوشیوں کے بیان کو ویسا ہی بلاکم وکاست لفظ بلفظ صحیح اور حقیقی قرار نہیں دیا جاتا اور ان کی کئی طرح سے تاویلات کی جاتی ہیں؟ یہ بھی خیال رہے کہ اس شہوت رانی اور نفس پرستی کے بہشت کا آپ نے اس وقت بیان کیا تھا جب آپ صرف ایک ہی بیوی کے ساتھ پرہیزگاری اور پاکیزگی کی زندگی بسر کررہے تھے۔ بعض آپ کی اسی پاکیزہ زندگی کو اس امر کی دلیل گردانتے ہیں کہ آنحضرت نے جو بہشت پر از لذائذ نفسانی اور عیش وعشرت سے مملو بیان کیا وہ محض تشبیہ اور استعارہ کے طور پر تھا لیکن اس مقام پر یہ یاد رہے کہ اگرچہ آپ بی بی خدیجہ کے ساتھ وفاداری کرتے تھے اور اس کے از حد شیفتہ وفریفتہ تھے تو بھی آپ اس کے تابع اور مطیع ومنقاد تھے۔ خدیجہ آپ کی مالک سمجھی جاتی تھی اسی نے آپ کو افلاس سے رہا کیا اور ایک خاصے متمول آدمی کے رتبہ کو پہنچایا لیکن پھر بھی تمام جائداد خدیجہ کے اپنے ہی قبضہ وتصرف میں تھی۔ اس عرصہ میں آنحضرت کبھی کسی صورت میں ظاہر نہ کرسکے کہ آپ دیگر زوجات مطہرات یا جہیز وغیرہ کے خواہشمند تھے۔ بعض محققین اور نکتہ رس اشخاص کے نزدیک یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ یہ میانہ روی آنحضرت کے لئے ایک مجبوری امر تھی کیونکہ جب آپ کو موقعہ ملا تو آپ نے خوب ہی دل کھول کر حسرتیں نکالیں۔ روضتہ الاحباب میں لکھا ہے کہ خدیجہ کی وفات پر حضرت محمد نہایت ہی پژمردہ اور شکستہ خاطر تھے۔ کسی دوست نے پوچھا کہ آپ اور نکاح کیوں نہیں کرلیتے؟ آپ نے فرمایا کہ میں کس سے نکاح کروں؟ اس پر اس دوست نے کہا کہ اگر آپ کوئی باکرہ اور دوشیزہ لڑکی چاہتے ہیں تو آپ کے دوست ابوبکر کی بیٹی عائشہ موجود ہے اور اگر آپ کسی جوان عورت کو ترجیح دیتے ہوں تو سودہ جو کہ آپ کی معتقد ہے اور آپ پر ایمان لائی ہے حاضر ہے۔ آنحضرت نے اس عقدہ ملاینحل کو یوں حل کیا اور فرمایا کہ ان دونوں سے دریافت کرو کہ آیا وہ مجھ سے نکاح کرنے کو خوش ہیں یا نہیں۔ خدیجہ کی آنکھ بند ہوئے ابھی دو ہی مہینے گذرے تھے کہ آپ نے سودہ سے نکاح کیا اور عائشہ جو اس وقت ابھی چھ برس کی لڑکی تھی اور تین سال کے بعد آپ کی سلک زوجات مطہرات میں منسلک ہوئی نسبت ٹھہر گئی۔ اب یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بہشت کی ان جسمانی اور نفسانی خوشیوں کی روشن بیانیاں بعد کے زمانہ کی سورتوں میں کیوں نہیں پائی جاتیں؟1*۔ اس کا ایک یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت کے مدنی مرید اب ہر طرح ظلم تعدی سے محفوظ تھے اس واسطے کچھ ضرورت نہ تھی کہ اس قسم کے وعدوں سے ان کی ہمت بڑھائی جاتی۔ پر بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ جب آنحضرت نے ہرطرح سے حتی المقدور اپنی نفسانی خواہشوں اور شہوات کو پورا کرلیا تو پھر اس قسم کے بیانات کی حظ نفس کے لئے چنداں ضرورت نہ رہی۔ جب آنحضرت کو عیش وعشرت کی دست رس نہ تھی تو آپ کی نظر میں اہل جنت کے لئے بہشت میں حور وغلمان سے بڑھ کر کوئی اچھی جزا نہ تھی پر جب بے روک ٹوک حسرتیں نکال چکے تو جس قدر عشقیہ مضمون دماغ میں بھرے ہوئے تھے سب ہوا ہوگئے1*۔

1*۔ حضرت محمد کی مکہ سے مدینہ کی ہجرت کے بعد تقریباً عرصہ دس سال کی مدنی سورتوں میں اس بات کا صرف دو دفعہ ذکر پایا جاتا ہے کہ حوریں یعنی خوبصورت عورتیں بہشت کی خوشیوں اور عش وعشرت کا ایک حصہ ہونگی۔ بعد ازاں ان کو منکوحہ بیویوں کی حیثیت میں بیان کیا ہے اور حرموں کے پیرایہ میں پیش نہیں کیا۔ سورة بقرہ کی 23آیت میں لکھا ہے **وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ** یعنی اور وہاں ہیں ان کے لئے عورتیں ستھری۔ جس نفسانیت اور شہوت پرستی کے بہشت کو مکہ میں اس زور وشور سے پیش کیا جاتا تھا اب مدینہ میں یا تو یہودیوں سے میل ملاپ رکھنے سے آنحضرت پر اس قدر ان کے اخلاق کا اثر ہوا کہ آپ کے خیالات

تبدیل ہوگئے یا اڑ گئے یا اس کا باعث یہ ہوسکتا ہے کہ اب مدینہ میں مسلمانوں کو بہشت کی عیش وعشرت کا ذکر سنا کر ان کی ہمت بڑھانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہ سب کچھ حسب خواہش اور ضرورت سے زیادہ اسی دنیا میں حاصل تھا پس انہوں نے ایسے بہشت کی خوشخبری سے کیا حظ اٹھانا تھا۔

1* ۔آسبرن صاحب کی کتاب مسمی بہ اسلام وعہد عرب کا صفحہ نمبر 36 ملاحظہ کیجئے۔

ایام مکہ کے دوسرے حصہ میں دوزخ اور اس کے عذاب کا بیان نہایت ہولناک ہے ۔اہل دوزخ ہمیشہ سخت عذاب میں مبتلا رہینگے ان کو سر سے پکڑ کر اور کھینچتے ہوئے دوزخ میں پھینکا جائیگا اور ان کو زبردستی ابلتا ہوا پانی پلایا جائیگا اور آتشی لباس پہنائے جائینگے لوہے کے گدزوں سے ان کو مارینگے اور جب وہ چھٹکارے کے لئے بھاگینگے تو ان کو پھر پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے دوزخ میں ڈالینگے اور کہینگے ذوقوامس سقر یعنی چکھوں مزا آگ کا۔ پس اسی طرح وہ رہینگے جلانے والی ہوا کے جھونکوں اور کھولتے پانی میں اور دھوئیں کے سایہ میں جو کہ نہ ٹھنڈا ہے اور نہ اس سے کچھ آرام حاصل ہوسکتا ہے۔

پھر ایام مکہ کے تیسرے حصہ میں یہی زجر وعتاب اور ہیبتناک لعنتیں سنائی گئی ہیں جن سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آپ جب تک مکہ میں رہے اپنے مخالفین کے ساتھ اسی قسم کی دھمکیوں سے پیش آتے تھے چنانچہ سورہ ابراہیم کی 44 اور 51 آیت میں یوں لکھا ہے کہ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لاَ يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءوَأَنذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُواْ رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍوَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الأَصْفَادِسَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَى وُجُوهَهُمْ النَّارُ یعنی دوڑتے ہونگے اوپر اٹھائے ہوئے اپنے سر۔ پھرتی نہیں اپنی طرف ان کی آنکھیں۔ اور دل ان کے اڑ گئے ہیں۔ اور ڈراوے لوگوں کو اس دن سے کہ آویگا ان کو عذاب تب کہینگے بے انصاف اے رب ہمارے فرصت دے ہم کو تھوڑی مدت۔ اور دیکھ تو گنہگار اس دن جوڑے ہوئے زنجیروں میں۔ کرُتے ان کے ہیں گندک کے اور ڈھانکے لیتی ہے ان کے منہ کو آگ۔

پھر سورہ مومین کے آٹھویں رکوع میں یوں مرقوم ہے الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَإِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَفِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ یعنی جنہوں نے جھٹلائی یہ کتاب 1* اور جو بھیجا ہم نے 2* اپنے رسولوں کے ساتھ سو آخر جان لینگے۔ جب طوق پڑے ہیں ان کی گردنوں میں اور زنجیریں۔ گھسیٹے جاتے ہیں جلتے پانی میں۔ پھر آگ میں ان کو جھونکتے ہیں۔ علاوہ اس کے سورہ یونس کے تیسرے رکوع میں اس طرح مندرج ہے۔ وَالَّذِينَ كَسَبُواْ السَّيِّئَاتِ جَزَاء سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُم مِّنَ اللّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا أُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ یعنی اور جنہوں نے کمائی برائیاں بدلہ برائی کا اس کے برابر ان پر چڑھیگی رسوائی۔ کوئی نہیں انکو اللہ سے بچانے والا۔ جیسے ڈھانک دیا ہے ان کے منہ پر ایک اندھیرا ٹکڑا رات کا۔ یہ دوزخی ہیں سدا اس میں رہینگے۔

واضح رہے کہ حضرت محمد بلا روک بار بار یہی کہتے رہے کہ میں نذیر من اللہ ہوں پر قریش نے ان کی ایک نہ سنی چنانچہ سورہ حجر کے پانچویں رکوع میں لکھا ہے کہ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ یعنی اور کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر پھر سورۃ ص کی تیسری آیت میں یوں مرقوم ہے وَعَجِبُوا أَن جَاءهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ یعنی اچنبھا کرنے لگے اس پر کے آیا ان کو ڈرسنانے والا انہیں میں سے اور کہنے لگے منکر یہ جادوگر ہے جھوٹا۔ ایساہی سورہ یسؔ 5 آیت اور

1* قرآن۔ 2* زمانہ سلف کی کتب مقدسہ یعنی توریت، زبور اور انجیل شریف

سورہ انبیاء کی 46 آیت میں یوں مرقوم ہے۔ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ، قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ یعنی تاکہ ڈراوے تو ایک لوگوں کو کہ ڈر نہیں سنا ان کے باپ دادوں نے۔ سو خبر نہیں رکھتے کہہ تو کہ میں تم کو خدا کے حکم کے موافق ڈرسناتا ہوں۔

یہ تمام سورتیں جن کی آیات اقتباس کی گئی ہیں ایام مکہ کے وسطی زمانہ کی ہیں جبکہ آنحضرت قبیلہ قریش کی مطیع ومنقاد بنانے میں سرگرم ومصروف تھے۔ پھر ایک آخری مدنی سورۃ یعنی سورہ فتح کی آٹھویں آیت میں مندرج ہے إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا یعنی ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی اور ڈرسناتا۔ لیکن بیان کیاجاتا ہے کہ اس ڈر سنانے کا خاص مطلب یہ تھا کہ لوگ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لائیں۔ جائے غور ہے کہ اس ایمان کی ان اغراض کا بیان عموماً آخری سورتوں میں پایا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں جب تک آنحضرت تشریف فرمارہے زیادہ حلیم تھے۔ سورہ فلق اور سورہ الناس کی نسبت اگرچہ تحقیق معلوم نہیں کہ وہ مکہ میں نازل 1* ہوئیں پر اگر ان کو مکی تسلیم کرلیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت اپنی معمولی خوش الحانی کو استعمال کرتے تھے اور اس قدر زمانہ سازی اور توہمات کے بس میں تھے کہ آپ اس بات کا اکثر اظہار کرتے تھے کہ ان کے دشمن اگر ان کو کسی سحری یا تاثیر سے ضرر پہنچانا چاہیں تو وہ اس سے مامون

ومصون رہ سکتے تھے چنانچہ بیان کیاجاتاہے کہ ایک شخص بعید نامی نے جو کہ یہودی تھا اپنی بیٹیوں کی مدد سے آنحضرت پر جادو کیا اور حضرت جبرائیل نے یہ دونو سورتیں 1*۔ (فلق والناس) پڑھ کر آپ

1*۔ نولدیکی صاحب فرماتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کے نزول کا وقت مقرر کرنا بہت مشکل ہے اور اس امر کا فیصلہ کرنا کہ یہ حضرت محمد کی مکہ سے مدینہ کی طرف مہاجرت سے پہلے کی ہیں سخت دشوار ہے دیکھو نولدیکی صاحب کا گشختی دس قرآن صفحہ 85۔

پھر مندرج ہے ۔ واما نیزعک من الشیطن نزع فاستعذ باالله یعنی اور کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوکنے سے تو پناہ پکڑاللہ کی ۔ اور سورہ نحل کی تیرھویں رکوع میں مرقوم ہے ۔فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ یعنی جب تو پڑھنے لگے قرآن تو پناہ لے اللہ کی شیطان راندے ہوئے سے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورتیں مکی ہیں اور اس وقت سے علاقہ رکھتی ہیں جبکہ حضرت محمد ابھی اہل عرب کے توہمات سے نجات یافتہ نہ تھے۔ بہت سے مسلمان مفسرین کہتے ہیں کہ بعید یہودی مدینہ میں رہتا تھا اس واسطے یہ سورتیں یعنی فلق اور الناس مدنی اور ہجرت کے بعد کی ہیں۔ اس قسم کے بیانات سے ان کے نزول کی کوئی ٹھیک تاریخ مقرر نہیں ہوسکتی۔

1* دیکھو تفسیر حسینی سورہ فلق۔

آپ کو اس کے جادو کی تاثیر اور ضرر سے بچایا۔ چنانچہ سورہ فلق اور سور الناس کی عبارت یہ ہے قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِن شَرِّ مَا خَلَقَوَمِن شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَوَمِن شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِوَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ اورقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِمَلِكِ النَّاسِإِلَهِ النَّاسِمِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِالَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ یعنی توکہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ۔ ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آئے ۔ اور بدی سے پھونکنے والی عورتوں کی گرہوں میں ۔ اور بدی سے برا چاہنے والوں کی جب لگے ہو نسنے ۔ توکہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی ۔ لوگوں کے بادشاہ کی ۔ لوگوں کے پوجے ہوئے کی ۔ بدی سے اس کی جو سنکار ہے چھپ جاوے وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دل میں ۔ جنوں یا آدمیوں میں سے ۔ ان سورتوں کو سورۃ المعوذتین یعنی حفاظت ونگہبانی کی سورتیں کہتے ہیں اور دفع ضرر آسیب وبلیات کے لئے ان کو لوگ تعویذ کے طور پر کسی چیز پر لکھ کر یا کندہ کرکے پہنتے ہیں۔

باوجود بہشت کی تمام موعودہ عیش وعشرت ۔عذاب جہنم کی دھمکیوں اور سحر وجادو پر غالب ہونے کے بیان اور دعووں کے حضرت محمد قبیلہ قریش کو اپنا معتقد نہ بنا سکے اب آنحضرت

اپنے غریب مومنین کی 1* کی حفاظت سے قاصر تھے اور یہ بھی آپ کو گوارا نہ ہوسکتا تھا کہ ان کو اسلام سے منکر اور برگشتہ ہوتے ہوئے دیکھیں۔ اس وقت عرب اور حبش میں تجارتی رشتہ بہت محکم واستوار تھا۔ پس آپ نے اپنے غریب اور مظلوم مومنین کو حکم دیا کہ عرب سے ہجرت کرکے حبش میں چلے جائیں۔ یہ مہاجرین تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور انہوں نے اپنے مخالفین کے ظلم وتعدی کے باعث اسلام سے منکر ہونے پر جلاوطنی اور غربت کو ترجیح دی۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ فی الحقیقت سچے ایماندار تھے۔اے بی سینیا میں جاکر ان میں سے بعض مسیحی کلیسا میں داخل

1*۔اس وقت ان تمام غلاموں نے جو خود مسیحی ملکوں سے عرب میں پہنچائے گئے یا جومکہ میں ان مسیحیوں کی اولاد تھے اسلام قبول کرلیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت محمد ایک شخص ہے جو غلامی سے چھڑانے اور مخلصی دینے والا ہے تووہ اس پر ایمان لائے اور ان کا ایمان ایسا پختہ تھا کہ ان میں سے کئی اسلام کے اقرار پر شہید ہوگئے۔سورہ علق کی دسویں آیت میں عبدااذا صلے (یعنی بندہ کو جب وہ نماز پڑھے) نولدیکی صاحب کے نزدیک انہی غلاموں کی طرف اشارہ ہے لیکن اس کا عام ترجمہ یہ ہے کہ " خدا کا خادم جبکہ وہ نماز پڑھتا ہے ۔" اور اس سے بعض کے نزدیک خود محمد صاحب مراد ہیں اور میں اس دھمکی کی طرف اشارہ ہے جو ابو جہل نے آنحضرت کو یہ کہہ کر سنائی تھی کہ جب تو نماز میں مصروف ہوگا میں تیری گردن پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوجاؤنگا۔ دیکھو نولدیکی صاحب کی کتاب گشختی دس قرآن صفحہ 66 اور تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ 468۔

ہوگئے کیونکہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں اس وقت ایسی مخالفت نہ تھی جیسی کہ بعد میں ظہور پذیر ہوئی۔ اور اگر اس کے چند سال بعد خود حضرت محمد بھی مدینہ میں نہ جارہتے تو شاید اے بی سینیا میں تشریف لے جاتے اور بجائے اسلام کے کسی مسیحی بدعتی فرقہ کے بانی ہوتے۔

چونکہ اب قریش کے ساتھ کچھ صلح کے آثار نظر آنے لگے تھے اس لئے جو مسلمان اے بی سینیا کو چلے گئے تھے تین مہینے کے بعد مکہ میں واپس آگئے۔ سرداران مکہ میں سے ایک شخص مقرر کیا گیا کہ حضرت محمد سے ملاقات کرے اور عہدو پیمان کے باب میں اس کو کسی ڈھنگ پر لائے چنانچہ اس نے آنحضرت کے پاس جاکر یوں کہا کہ اے بھائی آپ جانتے ہیں کہ آپ ہماری قوم میں اعلیٰ رتبہ پر ممتاز ہیں اور آپ نے آج کل ہمارے سامنے ایک نہایت نازک معاملہ پیش کیا ہے جس سے ہماری جماعت کے اجزا متفرق ہوگئے ہیں۔آپ نے ہم کو بے وقوف اور احمق کے نام سے نامزد کیا۔ ہمارے دین ومذہب کی توہین کی اور ہمارے متوفیٰ آباؤاجداد پر کفر وبے ایمانی کا الزام لگایا ہے۔ اب میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ اگر آپ اس کے نفسِ مضمون پر بخوبی غور کرینگے توآپ کو

صاف معلوم ہوجایئگا کہ یہ درخواست نہایت معقول اور قابل قبول ہے ۔ اب عزت ودولت حضرت محمد کے سامنے پیش کی گئیں اور یہ شرط قرار پائی کہ اگر حضرت محمد قریش کے معبودوں کو تسلیم کریں تووہ بھی اللہ کو اپنا خدا مانینگے اور اپنے دیگر معبودوں کی طرح اس کی بھی پرستش کریں گے۔ اس معاملہ میں آنحضرت کے سامنے بڑی بھاری آزمائش تھی۔ 1*

1*Muir's life of Muhammad جلد دوم صفحہ 150 سے 156 تک۔

حضرت محمد کی یہ تمنا اورآرزو تھی کہ اہل مکہ کومسلمان کرے لیکن صرف چالیس پچاس آدمی ایمان لائے اور اس وقت ان میں سے بھی بعض جلاوطن تھے۔ قبیلہ قریش کے لوگ اب بھی بدستور سابق بالکل مخالف وضدی تھے اور ان میں کسی طرح کی تبدیلی کا تاحال نام ونشان بھی نہ تھا۔ ہر طرح سے مایوسی اور نا امیدی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور اب مخالف جماعت کی طرف سے دعوے توحید الہیٰ کے بارہ میں کسی قدر رضامندی حاصل کرنے کا موقع تھا ۔ چنانچہ یہ قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک حضرت محمد کعبہ کے قریب سرداران مکہ کی ایک جماعت کے پاس پہنچے اور ان کی مجلس میں شامل ہوکر اپنے استقلال واستحکام کے باب میں سورہ نجم سے شروع کی آیات یوں پڑھیں وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىمَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىوَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىإِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىعَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى قسم ہے تارے کی جب گرے۔ بہکا نہیں تمہارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا۔ اور نہیں بولتا ہے اپنے چاؤ سے ۔ یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے ۔اس کو سکھایا سخت قوتوں والے نے ۔ پھر ان رازوں کی طرف اشارہ کرکے جو آپ پر منکشف کئے گئے آپ نے مکہ کے بتوں کا یوں بیان کیا اور فرمایا کہ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىوَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى (سورہ نجم آیت 19و20)۔یعنی بھلا تم دیکھو تولات وعزیٰ اور منواۃ تیسرا پچھلا۔ بعد ازاں آپ نے قریش کی صلح ویگانگت کا ذکر کیا۔ اس وقت قریش کے لوگ بڑے شوق اور غور کے ساتھ سن رہے تھے اور آپ کی باتوں میں محو ہورہے تھے۔ ان کی خوشی اور حیرانی کی کچھ حد نہ رہی جب انہوں نے یہ سنا کہ سب بزرگ نام 1* ہیں اور ان کی سفارش کی امید رکھنی چاہیئے۔

1* ۔ مسلمان مورخین اور مفسرین یا تو اسکا یوں بیان کرتے ہیں کہ سامعین کے کانوں پر شیطان کی طرف سے کچھ ایسی سحری تاثیر کی گئی کہ انہوں نے یہ الفاظ جو کہ آنحضرت کی زبان سے نہیں نکلے تھے سنے اور یا بیضاوی کی طرح اس قصہ ہی کے صاف انکاری ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مشرکین کی اختراع اور جعلسازی ہے ۔ روضتہ الاحباب میں لکھاہے کہ جب سورہ نجم نازل ہوئی توسرور عالم کعبہ شریف کی طرف گئے اور مجمہ قریش میں اس کو پڑھ کر سنایا پڑھتے وقت آپ ہر آیت پر اس غرض سے ٹھہر جاتے تھے کہ سامعین اچھی طرح سن لیں اور بخوبی یاد رکھ سکیں۔ سب اس مشہور آیت پر پہنچے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا تم دیکھتے ہولات اور عزیٰ اور منٰوۃ کوجو کہ تیسرا ہے ماسواپہلے دوکے توشیطان نے منکرین کے کانوں میں یہ الفاظ پہنچائے کہ یہ مبارک اور بزرگ دیویاں ہیں اور ان کی سفارش کی امید آرزو اور جائیز ہے ۔ اس سے کفار خوش ہوگئے ۔ دیکھئے کیلی صاحب کی کتاب Muhammad and Muhammadanism صفحہ 281 اور ویری صاحب کی تفسیر قرآن جلد سوم صفحہ 167 جہاں کہ اور بہت سی تفسیروں کے حوالے دئے گئے ہیں۔

اس سورت کے آخری الفاظ جیسا کہ حضرت محمد نے پڑھ کر سنائے یہ ہیں۔ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا یعنی سجدہ کرو اللہ کے آگے اور بندگی کرو ۔ سب حاضرین نے ایک دل ہو کر خدا کے حضور سجدہ کیا۔ یہ ایک نہایت دل پسند انہ اور عجیب وغریب نظارہ تھا۔ قریش کے لوگ بہت خوش ہوگئے اور کہنے لگے کہ اب ہم نے جانا کہ صرف خدا ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہی پیدا کرتا اور برقرار رکھتا ہے ۔ یہ ہماری دیویاں اسی کے حضور ہماری سفارش کرتی ہیں اور جب تونے ان کے لئے ایک درجہ مقرر کردیا ہم اس سے خوش ہیں۔ تیری پیروی کرنے پر راضی ہیں۔ لیکن باوجود اس سب کے حضرت محمد نے بہت جلد معلوم کرلیا کہ میں نے اس معاملہ میں بہت دھوکہ کھایا اور بڑی غلطی کی ہے اور جس بے حقیقت رتبہ کو میں نے حاصل کیا ہے مجھے فی الفور اس سے دست بردار ہونا چاہئیے ۔ حضرت محمد نے دیکھا کہ لوگ بت پرستی سے باز نہیں آتے۔ اور اس کی صلح اور عہد وپیمان سے دراصل کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ احادیث کے بیان کے مطابق اس وقت بذریعہ وحی خدائے تعالیٰ نے آپ کی یوں تسلی کی کہ پہلے پیغبروں کو بھی شیطان نے اسی طرح آزمائش میں ڈالاہے چنانچہ سورہ حج کے ساتویں رکوع آیت 52 میں یوں مندرج ہے ۔وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ یعنی اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب خیال باندھتے شیطان نے ملادیا اس کے خیال میں۔ پھر اللہ ہٹاتا ہے شیطان کا ملایا ہوا۔ 1*

جب خدا نے آنحضرت کے اعتماد وثوق کو اس طرح پھر بحال کردیا تو ان بتوں کے حق میں جیسا کہ اب قرآن میں مندرج ہے بذریعہ وحی صحیح طور پر آیات نازل ہوئیں أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىوَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىأَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىتِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىإِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاء سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم (سورہ نجم آیت 19 تا 23) یعنی بھلا تم دیکھو تولات اور عزیٰ اور منوۃ تیسرا پچھلا۔ کیا

تم کو بیٹے اور اس کو بیٹیاں ؟ تو تو یہ بانٹتا بھونڈا ۔ یہ سب نام ہیں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔

1*۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور اس میں دور کی گذشتہ مکی لغزش کی طرف اشارہ ہے اور تواریخ اسکی صحت کی ایک کافی دلیل ہے۔ سیل صاحب الفاظ اذا تمنیٰ کا ترجمہ جب اس نے پڑھا کرتے ہیں اور راڈویل صاحب کی طرح ان کا ترجمہ یہ نہیں کرتے کہ جس کی خواہشوں یا خیالوں میں۔ تفسیر حسینی میں انکا ترجمہ یوں ہے۔ چوں تلاوت کر (یعنی جب اس نے پڑھا اور اس ماجرا کی طرف اشارہ کرکے جومکہ میں گذرا تھا اس کی تشریح کی گئی ہے۔شاہ ولی اللہ صاحب کے فارسی ترجمہ میں آرزو بخاطر نسبت لکھتا ہے۔ اور تفسیر ابن عباس میں قراۃ الرسول یعنی رسول کا پڑھنا مرقوم ہے اور یہی معنی سب سے عمدہ معلوم ہوتے ہیں اور اس کے لئے کافی دلائل موجود ہیں۔

اب یہ سن کر قبیلہ قریش کے لوگ نہایت ناراض ہوگئے اور کہنے لگے کہ حضرت محمد نے ہماری دیویوں کی نکوئی اور خدا کے حضور ان کی خوبیوں کے باب میں جو کچھ بیان کیا تھا اب اس سے پچھتاتا ہے اور اب اس نے اس بیان کو تبدیل کرلیا ہے۔ پس اس پر قریش نے لوگوں کو برانگیختہ کیا اور وہ آنحضرت کو تمام مریدوں سمیت سخت ستانے اور اذیت پہنچانے لگے ۔اس معاملہ میں حضرت محمد نے خواہ کتنی ہی کمزوی ظاہر کی ہوتاہم اس وقت سے ہمیشہ کے لئے بت پرستی سے بوجہ اتم دست بردار ہوگئے اور بت پرستوں کی سزاو عقوبت کا علانیہ بیان کرنے لگے چنانچہ سورہ الصفتٰ کے تیسرے رکوع میں مندرج ہے أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَوَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَفَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ یعنی کیوں پوجتے ہو جو آپ تراشتے ہو اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو بناتے ہو۔ پھر چاہنے لگے اس پر برا داؤ۔ پھر ہم نے ڈالا انہیں کو نیچے ۔ بت پرستی سے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے ثبوت میں حضرت موسیٰ ایک گواہ کے طور پر بنی اسرائیل کو سورہ طٰہٰ کے پانچویں رکوع میں یوں کہتاہوا پیش کیا جاتاہے ترجمہ : دیکھ اپنے ٹھاکر کو جس پر سارے دن لگا بیٹھا تھا ہم اس کو جلادینگے۔

اس لغزش کے تھوڑی دیر بعد آنحضرت کو بذریعہ وحی آگاہی ملی کہ آئندہ اس قسم کے عہد وپیمان سے دور ہیں چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کے 8ویں رکوع آیت 73و74 میں مرقوم ہے ۔ وَإِن كَادُواْ لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لاَّتَّخَذُوكَ خَلِيلاًوَلَوْلاَ أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلاً یعنی اور دے تو لگے تھے کہ تجھ کو بچلادیں اس چیز سے جو وحی بھیجی ہم نے تیری طرف ۔تا باندھ لاوے تو اس کے سوا اور تب پکڑتے تجھ کو دوست ۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو ٹھہرا رکھا تو تولگ ہی جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا۔ 1*

بتوں کی سفارش کی بے ہودگی اور اس امر کے معتقدوں کے واہیات خیالات کا بیان سورہ فاطر کے پانچویں رکوع میں یوں مندرج ہے قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَى بَيِّنَةٍ مِّنْهُ بَلْ إِن يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُم بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا یعنی توکہہ بھلا دیکھو اپنے شریک جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا۔ دکھاؤ تو مجھ کو کیا بنایا انہوں نے زمین میں یا ان کی کچھ شراکت ہے آسمانوں میں یا ہم نے دی ہے ان

1*۔ بعض علما کا گمان ہے کہ یہ اس آزمائش کی طرف اشارہ ہے جو ساکنان طائف کی طرف سے آنحضرت کو پیش آئی جبکہ آپ کی درخواست و بلاہٹ کے جواب میں انہوں نے چند حقوق طلب کئے مثلاً یہ کہ خیرات وزکواۃ سے بری ہیں مقررہ وقتوں کی نمازوں سے معذور رکھے جاویں اور کچھ عرصہ کے لئے ان کے معبود بت لات کو قائم رکھا جاوے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے اس وقت کی طرف اشارہ ہو جبکہ طائف کا محاصرہ کیا گیا تھا۔ پر اس صورت میں اس کا تعلق 8تا9 ہجری سے ہوگا اور یہ سورۃ مکی ٹھہریگی۔ تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ اس سے وہ وقت مراد ہے جب قریش نے آنحضرت سے کہا تھا کہ جب تک آپ ہمارے بتوں کو خواہ اپنی سرانگشت سے ہی عزت کی راہ سے نہ چھوئیں آپ کو حجر اسود کے بوسہ کی اجازت نہیں دینگے اس وقت چونکہ سرور عالم کے دل میں طواف کعبہ کا ازحد شوق تھا آپ نے سوچا کہ اگر میں اس قدر کروں تو اس سے کیا خرابی متصور ہوسکتی ہے ۔ چنانچہ تفسیر حسینی کی عبارت یہ ہے کہ قریش باآنحضرت گفتند کہ نیگذاریم تراکہ استلام حجر کنی تاوقیتکہ مس کنی بتان اور مارا اگرچہ بسرانگشت باشد آنحضرت کہ غایت شوق بطواف حرم داشت در خاطر مبارک خطور کردچہ شود اگرچہ چینں کنم۔ میور صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں اس ادبار وزوال کی طرف اشارہ ہے جو مکہ میں واقع ہوا اور جس کا اوپر بیان ہوچکا ہے۔

کو کوئی کتاب سو یہ سند رکھتے ہیں اس کی ۔ کوئی نہیں پر جو وعدہ بتاتے ہیں گنہگار ایک دوسرے کو سب فریب ہیں۔ اس طرح سے اہل مکہ کو بت پرستی کی جہالت سے متنبہ کیا گیا۔ جس ماجرے سے یہ تمام نتائج ظہور پذیر ہوئے اسی پر آنحضرت کی آئندہ زندگی کا ظلم وتشدد مبنی تھا۔

اب حضرت محمد اس پستی کی حالت سے پھر جلد اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مریدوں میں پھر اسی دھوم دھام اور استحکام کے ساتھ اپنا سکہ جمایا پر عوام الناس کے خیالات اس موقعہ پر اور ہی تھے وہ نہ تو اس کے قائل تھے کہ جس شیطانی اثر کا قرآن ذکر کرتا ہے اس کے باعث آپ نے لغزش کھائی ہے اور نہ یہ مانتے تھے کہ اس کی تصدیق اس طرح علانیہ طور پروحی کے وسیلہ سے ہوئی ۔ اگر فی الحقیقت قرآن خدا کا کلام تھا تو یہ تنسیخ وتردید اور ادل بدل ہر گز ہر گز کلام اللہ نہیں ہوسکتا ۔ پس حضرت محمد کی تمام کوششیں جن سے آپ ان کو بت پرستی سے دست بردار کرنا چاہتے تھے ان پر وہ بہت ہنستے اور مضحکہ اڑاتے تھے۔ جب آنحضرت پر یہ الزام لگا کہ آپ نے آیت تبدیل کرلی ہے تو اس کے جواب

میں آپ نے ایک اور آیت پڑھ سنائی جو کہ اسلامی تعلیم ناسخ ومنسوخ کی بنیاد ہے چنانچہ سورہ نحل کے 14 رکوع کی پہلی آیت میں یوں مرقوم ہے وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُواْ إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لاَ يَعْلَمُونَقُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ یعنی اور جب ہم بدلتے ہیں ایک کی جگہ دوسری ۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے جو اتارتا ہے ۔کہتے ہیں تو تو بنا لایا ہے ۔ یوں نہیں پر ان بہتوں کو خبر نہیں توکہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے تحقیق ۔

اب بھی قریش کے لوگ آپ پر ہنستے اور ٹھٹھا مار کر یوں کہتے تھے کہ دیکھو وہ شخص ہے جس کو خدا نے رسول مقرر کرکے بھیجا ہے اگر ہم صبرو استقلال کے ساتھ قائم نہ رہتے تو اس نے ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کرنے میں کسی طرح کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر آنحضرت کے سر پر ابو طالب جیسے صاحب قدرت آدمی کی حمایت کا سایہ نہ ہوتا تو اس وقت آپ نہایت خطرہ میں تھے۔ لیکن اس عم مہربان اور شفیق حامی نے باوجود اس کے کہ اپنے بھتیجے کی کارروائیوں سے خوش نہ تھا کسی حالت میں اسکا ساتھ نہ چھوڑا اور ہمیشہ مردانہ وار نہایت جوانمردی کے ساتھ اس کی حمایت وحفاظت کرتا رہا۔ ایک دفعہ مخالفین کی مخالفت یہاں تک بڑھ گئی کہ آنحضرت کے ہلاک کئے جانے کا شبہ پڑا۔ بعد میں جب ابوطالب کو خبر ہوئی تو اس نے انہیں بہت دھمکایا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر تم محمد کو قتل کردیتے تو میں تم سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔

شہر مکہ میں حضرت محمد کی اس وقت جو حالت تھی اس کا بیان یوں ہوسکتا ہے کہ قبیلہ قریش کے لوگ پہلے کی نسبت اب آپ کے زیادہ مخالف تھے اور آپ کے مومنین بیدل اور بے ہمت ہورہے تھے۔ عوام الناس یا توآپ سے متنفر تھے یا ان کو کچھ پرواہی نہ تھی پر آپ اپنے چچا ابو طالب کے رعب داب کے باعث ہر طرح کے مخاطر ومخافت سے محفوظ ومامون تھے۔ان تمام نامساعدو ناموافق حالات کے مقابلہ میں آپ نے دو قسم کے دلائل پیش کرنے شروع کئے۔ پس پہلے آنحضرت نے وحی آسمانی کو پیش کیا اور اس سے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زمانہ قدیم میں بھی پیغمبروں پر ایسی مصیبتیں وارد ہوتی رہی ہیں اور اسی کو آپ نے اپنے من جانب اللہ ہونے کی ایک صاف دلیل گردانا چنانچہ سورہ حجر کی دسویں آیت سے یوں مرقوم ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الأَوَّلِينَوَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلاَّ كَانُواْ بِهِ يَسْتَهْزِؤُونكَذَلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَلاَ يُؤْمِنُونَ بِهِ

یعنی اور ہم بھیج چکے ہیں رسول تجھ سے پہلے کئی فرقوں میں اگلے۔ اور نہیں آیا پاس کوئی رسول مگر کرتے رہے اس سے ہنسی ۔ اسی طرح بیٹھاتے ہیں اس کو دل میں گنہگاروں کے ۔ یقین نہ لاوینگے اس پر

دوسری دلیل میں آپ بار بار اپنی الہیٰ بلاہٹ اور وحی کی سچائی اور صداقت کو پیش کرتے رہے ۔ یہ زمانہ خصوصاً اس لئے بھی کہ آپ اپنے دعاوی کے منکروں کے حق میں نہایت سخت گوئی کو کام میں لاتے رہے اور ازحد غور کے لائق اور قابل توجہ ہے۔

ذیل کی آیات میں زمانہ قدیم کے پیغمبروں کے ساتھ جو کچھ بدسلوکیوں کے بیان مندرج ہیں انہی کو آنحضرت کے اپنے پیغمبری اور رسالت کی دلیل قرار دیا ہے۔ سورہ صؔ کی 11 آیت میں ہے كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ یعنی جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور فرعون میخوں والا۔

اگرچہ سورۃ الانبیاء کی آٹھویں آیت مدنی خیال کی جاتی ہے پر یہ سورۃ ایام مکہ کے وسطی زمانہ کی ہے اور اس میں اہل مکہ کو ان شہروں کا حوالہ دے کر جن پر سابق الایام میں خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اس امر سے متنبہ وآگاہ کیا گیا ہے کہ ان کا شہر بڑے خطرہ میں ہے۔ چنانچہ 11 آیت میں لکھا ہے وَكَمْ قَصَمْنَا مِن قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ترجمہ : اور کتنی توڑ ماریں ہم نے بستیاں جو تھیں گنہگار اور اٹھا کھڑے کئے ان کے پیچھے اور لوگ۔ پھر 21آیت میں ان کے معبودوں کی نسبت لکھا ہے۔ أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ یعنی کیا مقرر کئے ہیں انہوں نے معبود وزمین میں سے کہ وہ اٹھا کھڑا کرینگے۔ پھر ذرا آگے چل کر یوں مندرج ہے أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ هَذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِي یعنی کیا پکڑے انہوں نے اس سے درے اور صاحب۔ توکہہ لاؤ اپنی سند یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور مجھ سے پہلوں کی ۔

اب آنحضرت نے سلف کے پیغمبروں اور بزرگوں کے حوالے دینے شروع کئے اور زکریا کے زمانہ تک بیان کیا کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے ان کی محافظت اور نگہبانی کی ۔ نیز آپ نے یہ بھی بیان کیا کہ کس قدر خدا تعالیٰ نے کنواری مریم پر اپنا فضل کیا اور کس پاکیزہ اور معجزانہ طور پر یسوع مسیح 1* اس کے رحم میں آئے۔ پس جس طرح یہ تمام بزرگان سلف

1*-والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا وجعلنا وابنھا ایۃ للعمین ترجمہ: اور وہ عورت جس نے قید میں رکھی اپنی شہوت ۔ پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی جان روح اور کیا اس کو اور اس کے بیٹے کو نمونہ تمام عالم کے لئے سورۃ (النبیاء رکوع 6) وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّافَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَاإِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّاقَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَن مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّاقَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ترجمہ: اور مذکور کر کتاب میں مریم کا جب کنارے ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں پھر پکڑلیا ان سے درے ایک پردہ پھر بھیجا ہم نے اس پاس اپنا فرشتہ پھر بن آیا اس کے آگے آدمی پورا۔ بولی مجھ کو رحمان کی پناہ تجھ سے اگر تو ڈر رکھتا ہے ۔ بولا میں تو بھیجا ہوں تیرے رب کا کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا اور سورہ مریم 16 تا 19 آیت تک) مذکور بالا بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح نے انسانی صورت اختیار کی اور سورہ انعام کی نویں آیت وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلاً وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ یعنی اور اگر ہم رسول کرتے کوئی فرشتہ تو وہ بھی صورت ایک مرد کرتے اور ان پر شبہ ڈالتے وہی شبہ جو لاتے ہیں وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی فرشتہ بھی مرسل من اللہ ہو کر آتا تو وہ بھی ضرور انسانی صورت اختیار کرتا پس اس لئے کہتے ہیں کہ جس کے مریم کے پاس جانے کا ذکر ہے وہ ضرور جبرائیل فرشتہ تھا پھر سورہ اعراف جو آخری زمانہ کی ایک سورت ہے اس کے 24 ویں رکوع اور آیت 190 میں اس بات کا صاف بیان ہے کہ یہ ہے سیدنا عیسیٰ مسیح ایک نیک اور صالح لڑکا پیدا ہوا تھا چنانچہ لکھا ہے کہ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحاً جَعَلاَ لَهُ شُرَكَاء فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ یعنی پھر جب دیا ان کو چنگا بھلا ٹھہرانے لگے اس کے شریک اس کی بخشی چیز میں سو اللہ بلند ہے ان کے شریک بتانے سے ۔ سیدنا عیسیٰ مسیح کی پاکیزگی اور معجزانہ پیدائش کا بیان سورہ آل عمران کے چھٹے رکوع میں یومندرج ہے یعنی تحقیق عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی سے ہے ۔ بنایا اس کو مٹی سے ۔ پھر کہا اس کو ہوجا۔ وہ ہوگیا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے آدم اور عیسیٰ دونوں کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

مقبول الہیٰ تھے اسی طرح اب آپ نے اپنے آپ کو الانبیاء اور مورد عنایت الہیٰ قرار دیا۔ جس طرح انکی تحقیر کی گئی تھی اسی صورت میں آنحضرت نے اپنے آپ کو ان کا مثیل بیان کیا اور مماثلت کے ثبوت میں آپ نے اس مخالفت کا بیان پیش کیا جو کہ زمانہ قدیم کے انبیاء کو پیش آئی تھی ۔ چنانچہ سورہ قمر کی تیسر آیت میں یوں مرقوم ہے وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءهُمْ ترجمہ: یعنی اور جھٹلایا انہوں نے اور چلے اپنے چاؤں پر۔

حضرت نوح کی قوم نے اسکو مفتری کا خطاب دے کر رد کیا اور قوم لوط نے حضرت لوط کی تمام وعظ و نصیحت کو دروغگوئی اور لغو بیانی سے منسوب کیا اور جب قوم فرعون کو غضب الہیٰ سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے تمام معجزات کو دھوکہ اور شعبدہ بازی بتایا۔ اب حضرت محمد ساکنان مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی سورہ کے تیسرے رکوع میں یوں فرمایا یعنی اب تم میں جو منکر ہیں کیا وہ بہتر ہیں ان سب سے یا تم کو فارغخطی لکھی گئی ورقوں میں ؟ چکھو مزا آگ کا ۔ سورہ شعراء میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ، نوح ،لوط اور دیگر انبیاء کی کس قدر تحقیر کی گئی اور ان میں سے ہر ایک پر مفتری اور کذاب کا الزام لگایا گیا۔ یہ قصے نہایت طویل ہیں اور ان سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اہل مکہ نے جو آنحضرت کی مخالفت کی اس سے انبیاء سلف کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہی ثابت ہے کہ اس قسم کی تکالیف اور مخالفت کا پیش آنا سچے پیغمبر کے لئے از بس ضروری اور لابدی امر ہے لیکن اس سے اہل مکہ کی اصل روش کا ٹھیک پتہ نہیں لگتا کیونکہ سورہ شعراء کے 11 رکوع میں ان کو سخت سرزنش کی گئی ہے ۔ چنانچہ لکھا ہے هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَى مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُتَنَزَّلُ عَلَى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ یعنی کیا میں بتاؤں تم کو کس پر اترتے ہیں شیطان ۔ اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر۔ پھر سورۃ الانبیاء کے تیسرے رکوع میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تمام اس استہزائی مزاج کے لوگوں اور تحقیر کرنے والوں کو لازم ہے کہ جن لوگوں پر زمانہ قدیم میں خدائے تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ان کے حال پر نظر کرکے عبرت حاصل کریں کیونکہ ایک وقت آئیگا جب ان کو معلوم ہوجائیگا جب ان کو معلوم ہوجائیگا ۔چنانچہ لکھاہے کہ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَن وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَن ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَبَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَوَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِؤُون ترجمہ کبھی جانیں یہ ہے منکر اس وقت کو نہ روک سکینگے اپنے منہ سے آگ ۔ اور نہ اپنی پیٹھ سے اور نہ ان کو مدد پہنچیگی ۔ کوئی نہیں وہ آوے گی ان پر بے خبر پھر ان کو ہوش کھودیگی۔ پھر نہ سکینگے کہ اس کو پھر دیں نہ ان کو فرصت ملیگی۔ اور ٹھٹھے ہوچکے ہیں کتنے رسولوں کے ساتھ تجھ سے پہلے۔ پھر الٹ پڑی ٹھٹھے والوں پر ان میں سے جس چیز کا ٹھٹھا کرتے تھے۔

سورہ والصفت اس زمانہ کی معلوم ہوتی ہے جبکہ آنحضرت کی مخالفت بہت شدومد سے نہ ہوتی تھی بلکہ حقیقی دشمنی اور عداوت کی جگہ ایک گو نہ نا اتفاقی اور بے پروائی پائی جاتی تھی۔ اس صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ میں سے منکرین نے کس طرح ان لوگوں کی قدم قدم پر تقلید وپیروی کی جنہوں نے زمانہ قدیم میں حضرت نوح ،موسیٰ ،ہارون ،الیاس ،لوط اور یونس کو جھٹلایا اور رد کیا تھا۔ اور تمام قصے کسی قدر طوالت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اہل مکہ اپنی بریت کے باب میں یوں

عذر کرتے تھے لَوْ أَنَّ عِندَنَا ذِكْرًا مِّنْ الْأَوَّلِينَلَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ یعنی اگر ہم پاس احوال ہوتا پہلے لوگوں کا توہم اللہ کے چنے ہوئے بندے ہوتے (آیت 168تا 169)۔

آنحضرت کو ارشاد ہوا کہ کفارہ سے الگ ہوجاویں کیونکہ ان پر عنقریب ہی عذاب نازل ہونے والا تھا چنانچہ لکھا تھا ہے وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ترجمہ اور پھر آان سے ایک وقت تک اور دیکھتارہ۔ اب آگے دیکھ لینگے (آیت 179)۔

پھر سورہ مومن آخری زمانہ کی مکی سورتوں میں سے ہے اور اس کا نفس مضمون اور طرز بیان بھی سورہ الصفت کا سا ہے بلکہ یہاں تک کہ اس میں کفارہ کے لئے توبہ کا بھی موقع نہیں۔ اس کی آخری تین آیتوں میں یوں بیان کیا گیا ہے فَلَمَّا جَاءتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِؤُونفَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَفَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِيعِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ یعنی پھر جب پہنچے ان پاس رسول ان کے کھلی نشانیاں لے کر۔ پھر جب دیکھی انہوں نے ہماری آفت بولے ہم یقین لائے اللہ اکیلے پر اور چھوڑیں جو چیزیں شریک بتاتے تھے۔ پھر نہ ہوا کہ کام آوے ان کو یقین لانا ان کا جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب۔ رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اس کے بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر۔

سورہ ص ایام کے وسطی زمانہ کی ایک نہایت مشہور سورت ہے۔ اس کی پہلی دس آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جبکہ قریش نے ابو طالب سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ آنحضرت کی مدد وحمایت سے دست بردار ہوجاوے اور ابو طالب نے ایسا کرنے سے صاف انکار کیا تھا۔ قریش نے ایک دفعہ تو غالباً 615ھ میں یہ درخواست کی تھی اور بعض حدیثوں میں یوں مندرج ہے کہ جب 620ھ میں ابو طالب بستر مرگ پر پڑا تھا اس وقت اس سے یہ درخواست کی گئی تھی پر زیادہ تر احتمال یہی ہے کہ قریش نے یہ درخواست 615ھ میں کی تھی۔ اس صورت میں قریش کی پہلی امتوں پر جو جو عذاب نازل ہوئے تھے ان کا حال سنا کر نہایت سختی سے متنبہ کیا گیا ہے چنانچہ پہلی سات آیات میں یوں مرقوم ہے ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِبَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ فَنَادَوْا وَلَاتَ حِينَ مَنَاصٍوَعَجِبُوا أَن جَاءهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌأَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌوَانطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌأَأُنزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّن ذِكْرِي بَلْ لَمَّايَذُوقُواعَذَابِ قسم ہے اس قرآن کے سمجھانے والے کی۔ بلکہ جو لوگ منکر ہیں۔ غرور میں ہیں اور مقابلہ میں بہت کھپادیں ہم نے ان سے پہلے سنگتیں۔ پھر لگے پکارنے اور وقت نہ رہا خلاصی کا۔ اور اچنبھا کرنے لگے اس پر کہ ان کو ایک ڈرسنانے والا نہیں میں سے۔ اور لگے کہنے منکر یہ جادو گر ہے جھوٹا۔ کیا اس نے کردی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی؟ یہ ہے بڑی تعجب کی بات اور چل کھڑے ہوئے کتنے پنچ ان میں سے کہ چلو اور ٹھہرے رہو اپنے ٹھاکروں پر۔ بیشک اس بات میں کچھ غرض ہے۔ یہ نہیں سنا ہم نے اس پچھلے 1* دین میں۔

1* حضرت محمد ماسمعیا بھذا افی اللمتہ الاخرۃ کو اس ڈھنگ سے پیش کرتے ہیں کہ گویا یہ مشرکین کا قول ہے اور طنزاً اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ مسیحی دین بجائے توحید کے تثلیث کی تعلیم دیتا ہے۔ تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ اس سے مسیحی مذھب کے لوگ مراد ہیں جو کہ آخری دین کے لوگ نہیں اور بلا تحقیق نا راستی سے ان کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ تثلیث کے قائل اور توحید کے منکر ہیں چنانچہ لکھا ہے کہ ملت عیسیٰ کہ آخرین مت است چہ ایشاں تثلیث قائل اند نہ بتوحید۔ ابن عباس بھی تفسیر حسینی کے بیان سے متفق ہے پر مجاہد کھتا ہے کہ اس سے قریشی مذہب مراد ہے خلاصہ التفاسیر جلد چہارم صفحہ 44۔

اور کچھ نہیں یہ بنائی بات ہے کیا اسی پر اتری سمجھوتی ہم سب میں سے ؟ کوئی نہیں۔ ان کو دھوکہ ہے میری نصحیت میں۔ کوئی نہیں۔ ابھی چکھی نہیں میری بار۔

ایام مکہ کے وسطی زمانہ کے وحی والہام کا اظہار قرآن کے متواتر نازل ہوتے رہنے سے بہت توضیح کے ساتھ کیا گیا ہے۔ قرآن کی تعظیم وتکریم کے باب میں بھی آیات نازل ہوئیں چنانچہ اس کو مبارک کتاب۔ روشن کتاب اور قرآن مجید وغیرہ ناموں سے نامزد کیا گیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ کتاب خدا کی طرف سے ہے اور خدا نے اس کو عرش معلیٰ سے نازل فرمایا اور سب کتابوں پر فوق دیا ہے چنانچہ سور ص کی كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ یعنی ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تادھیان کریں لوگ اس کی باتیں اور سمجھیں عقل والے۔

اس موقعہ پر حضرت محمد کو یہ بھی ارشاد ہوا کہ آپ سامعین کی سخت دلی پر غم نہ کھاویں اور یہ بھی اطمینان دلایا گیا کہ آپ کی رسالت سچ مچ من جانب اللہ ہے ۔ اور اس کتاب منیر یعنی قرآن کے نشانات سورۃ شعراء کی دوسری آیت سے پانچویں آیت تک اس طرح مندرج ہیں لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَإِن نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِم مِّن السَّمَاء آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَوَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَفَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاء مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُون يعنی شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس پر کہ دے یقین نہیں کرتے۔ اگر ہم چاہیں تاریں ان پر آسمان سے ایک نشانی۔ پھر رہ جاویں ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی اور نہیں پہنچی ان پاس کوئی نصیحت رحمان سے نئی جس سے منہ نہیں موڑتے ۔ سو یہ جھٹلا چکے ۔ اب پہنچیگی ان پر حقیقت اس بات کی جس پر ٹھٹھا کرتے تھے ۔ پھر اس سورۃ کے گیارہویں رکوع کی چند آیات میں اس امر پر بہت زور دیا گیا ہے کہ قرآن حضرت جبرائیل کی معرفت آسمان سے نازل ہوا لیکن چونکہ ان آیات میں کچھ یہودیوں کا حال مندرج ہے جلال الدین السیوطی کے نزدیک اس سورۃ کا یہ حصہ مدینہ سے علاقہ رکھتا ہے اور اس لئے ان آیات کو اس جگہ اقتباس کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا لیکن اس سورت کے دیگر چند مقامات میں زمانہ قدیم کے پانچ نبیوں کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا ہے کہ خدا سے ڈرو اور میری تابعداری کرو اور اس سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ اسی طرح قریش پر فرض ہے کہ حضرت محمد کی اطاعت وفرمانبرداری کریں اور اگر نافرمانی اور سرکشی سے باز نہیں آئینگے تو اس نافرمانی کی سزا پاوینگے ۔ پس جب وہ آنحضرت کی اطاعت نہ کریں تو آپ خدا کی طرف سے ان کو یوں کہہ سکتے تھے ۔إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ترجمہ "میں الگ ہوں تمہارے کام سے (آیت 216) مخالفین آنحضرت پر یہ الزام بھی لگاتے تھے کہ آپ قرآن کی آیات خود بنا کر سناتے ہیں اور یہ من جانب اللہ نہیں ہے ۔ اس کے جواب میں آپ نے سورہ طور سے قرآن کی طرز بیان اور اس کے فوق العادت مضامین کو بطور معجزہ پیش کیا اور خدا کی طرف سے ارشاد پا کر فرمایا أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَل لَّا يُؤْمِنُونَفَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ یعنی یا کہتے ہیں یہ بات بنالایا ہے ۔ کوئی نہیں پر ان کو یقین نہیں۔ پھر چاہیئے لے آویں کوئی بات اسی طرح کی اگر وہ سچے ہیں (دوسرا رکوع) وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا یعنی تحقیق ان لوگوں کے لئے جو گنہگار ہیں مار ہے (آیت 47)۔

سورۃ الحاقتہ ابتدائی زمانہ کی مکی سورت ہے اور ہر طرح کی بناوٹ اختلاق سے قرآن کو بری اور محفوظ ٹھہرانے میں اس سورت میں بہت زور دیا گیا ہے چنانچہ 38آیت سے 47 تک یوں مرقوم ہے ۔ فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَوَمَا لَا تُبْصِرُونَإِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍوَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَوَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَتَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَوَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِلَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَفَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ یعنی سو قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو دیکھتے اور ان چیزوں کی جو تم نہیں دیکھتے ۔ یہ کہا ہے کہ ایک پیغام لانے والا سردار کا اور نہیں یہ کہا کہ کسی شاعر کا 1*۔ تم تھوڑا یقین کرتے ہو۔ اور نہ کہا پریوں والے کا۔ تم تھوڑا دھیان کرتے ہو۔

1*۔ جو شاعر آنحضرت کے برخلاف لکھا کرتے تھے انکو آپ نے دیوانے اور جنوں زدہ بیانکیا چنانچہ سورہ الشعراء کے گیارہویں رکوع میں وَالشُّعَرَاء يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَأَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ یعنی اور شاعروں کی بات پر چلے وہی جو گمراہ ہیں تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں لیکن ساتھ ہی طرفہ تر ماجرا یہ ہے کہ آنحضرت شاعروں کی مدد سے ان کو اشعار میں مقابلتہً جواب دیا کرتے تھے اور اپنے شاعروں کی تعریف کرتے تھے۔ چنانچہ سورہ شعراء کی آخری آیت میں یوں مرقوم ہے کہ وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ یعنی اور بدلا لیا اس پیچھے کہ ان پر ظلم ہوا اور اب معلوم کرینگے ظلم کرنے والے کس کروٹ الٹے ہیں۔ معالم کے بیان کے مطابق آخری جملہ میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو آپ کی ہجو لکھا کرتے تھے خلاصتہ التفاسیر جلد سوم کا صفحہ 388 ملاحظہ فرمائیے۔

یہ اتارا ہے جہان کے رب کا اور اگر یہ بنالاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑتے اس کا دہنا ہاتھ ۔ پھر کاٹ ڈالتے ہم اس سے رگ گردن کی ۔ پھر تم میں کوئی نہیں اس سے روکنے والا۔

یا یوں کہیں کہ لفظ ہم جس کا مفہوم مندرجہ بالا عبارت میں خدا ہے اس کے استعمال سے خاص غرض یہ تھی کہ منکرین پر ایسا رعب چھاجاوے کہ وہ آنحضرت کو تکلیف دینے اور اذیت پہنچانے سے باز آجائیں ۔ اس وقت اہل مکہ میں یہ عام خیال تھا کہ آنحضرت پر قرآن خدا کی طرف سے نازل نہ ہوا تھا بلکہ آپ کی اپنی شاعرانہ لیاقت کا اظہار و نتیجہ تھا۔ اس خیال سے بریت حاصل کرنے کے لئے حضرت ازحد متفکر ومتردد تھے چنانچہ متذکرہ بالا سورت میں آپ نے خدا کی طرف سے یوں علان کیا کہ یہ جو الزام آنحضرت پر لگایا جاتا ہے سچ نہیں ہے تمام قرآن میں کوئی آیت ان آیات سے زیادہ زور وشور سے اس امر کا بیان نہیں کرتی کہ قرآن من جانب اللہ ہے لیکن اس جوش وخروش اور سرگرمی ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد کے دل میں بجائے اس تسلی واطمینان کے جو ایسے

شخص کو نصیب ہوتا ہے جس کو اپنی باتوں پر کامل اعتماد ووثوق ہو بہت سے شکوک بھرئے ہوئے تھے۔جو ایمان واعتماد امن وچین خدا کے پیغمبر ومرسل کے دل میں ہونا چاہئے وہ آنحضرت میں مطلق نظر نہیں آتا۔ قرآن کے جن مقامات سے مذکورہ بالا حالات کا پتہ ملتا ہے ان میں سے بعض کو ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ سورہ تکویر کی 15 آیت سے یوں مرقوم ہے فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِالْجَوَارِ الْكُنَّسِوَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَوَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَإِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍمُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍوَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ یعنی قسم کھاتاہوں میں پیچھے ہٹ جاتے سیدھے چلتے دبک جانے والوں کی اور رات کی جب اس کا اٹھان ہو۔ اور صبح کی جب دم لیوے۔ تحقیق یہ کہنا پیغام پہنچانے والے بزرگ کا ہے۔ قوت والا نزدیک صاحب عرش کے مرتبے والا۔ کہا مانا گیا اس جگہ باامانت اور یہ تمہارا رفیق کچھ نہیں دیوانہ۔ پھر سورہ نجم کی 4تا 5 آیات میں اس طرح مندرج ہے۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىعَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى یعنی یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے۔اس کو سکھایا سخت قوتوں والے نے پھر سورہ واقعہ کے تیسرے رکوع میں پایا جاتا ہے کہ فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِوَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌإِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌفِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍلَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ یعنی سومیں قسم کھاتا ہوں تارے ڈوبنے کی اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم۔ بے شک یہ قرآن عزت والا ہے۔لکھا چھپی کتاب میں۔ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنے ہیں۔ اور إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا یعنی ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سہج سہج اتارنا (سورہ دہر آیت 23)۔

حمٓوَالْكِتَابِ الْمُبِينِإِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَوَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ یقنی قسم ہے اس کتاب واضح کی ہم نے رکھا اس کو قرآن عربی کا۔ شاید تم بوجھو اور یہ بڑی کتاب 1* میں ہم پاس ہے اونچا محکم (سورہ زخرف کی پہلی تین آیات)۔اور سورہ فرقان کی چوتھی آیت سے یوں شروع ہوتا ہے۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاؤُوا ظُلْمًا وَزُورًاوَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًاقُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ یعنی اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں یہ مگر جھوٹ باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے۔ سو آئے بے انصافی اور جھوٹ پر اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں اگلوں کی جو لکھ لیا ہے۔ سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح وشام۔ تو کہہ اس کو اتارا اس شخص نے جو جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور کہا رسول نے اے رب میرے میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک۔

پھر سورہ سجدہ کی دوسری آیت میں یوں لکھا ہے أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ یعنی کیا کہتے ہیں یہ باندھ لایا ؟ کوئی نہیں وہ ٹھیک ہے تیرے رب کی طرف سے کہ تو ڈر سناوے ایک لوگوں کو جن کو نہیں آیا کوئی ڈر سنانے والا تجھ سے پہلے شاید دے راہ پر آویں۔ پھر سورہ نحل کے 14 رکوع اور آیت 102 کے شروع میں یوں مندرج ہے قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ یعنی تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتہ نے تیرے رب کی طرف سے ساتھ حق کے۔

1*ام الکتاب یا کتاب کی ماں سے قرآن وہ اصل مراد ہے جو خدا کے حضور ہر طرح کے تغیر وتبدل سے محفوظ ومامون رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ 300میں مندرج ہے کہ دراصل ہمہ کتاب سماوی یعنی لوح ومحفوظ کہ ایمن است وتغیر

سورۃ الزمر غالباً اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ پہلی دفعہ مسلمانوں نے ابی سینیا کی طرف ہجرت کی۔ اس سورۃ میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ قرآن لاکلام خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ نیز اس سورۃ سے یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ اس قسم کے وحی سے کس قدر لوگوں پر خوف وہراس چھا جاتا تھا چنانچہ دوسری اور 24 ویں آیات سے اس طرح مرقوم ہے إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ یعنی ہم نے اتاری ہے تیری طرف کتاب ٹھیک سو بندگی کر اللہ کی خالص کرکے اس کے واسطے بندگی۔ اور اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ یعنی اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب آپس میں ملتی دہرائی 1* ہوئی۔ بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے۔

1*۔ لفظ متانی یعنی دو دو یا جوڑے جوڑے کا ترجمہ راڈویل صاحب کے نزدیک ایسی تعلیم ہے جو کہ بالتکرار رہوا اور پالگر یواؤ پامر صاحب نے اس کا ترجمہ محض دہرانا کیا۔ سیل صاحب اس کے ترجمے کے بیان میں قرآن کے موجودہ مروجہ ترجمہ سے متفق ہیں۔ راڈویل صاحب کے قرآن صفحہ 126 میں سورہ حجرہ کی 87آیت اور اس پر جو نوٹ ہے ملاحظہ کیجئے۔ ایک اردو ترجمہ میں یوں مندرج ہے کہ ایک مدعا کئی کئی طرح بیان کیا۔ کتاباً مشتاً بہاً مثانی پورے جملہ پر مفسیر حسین فارسی میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ کتابے مانندیکد دیگر یعنی قرآن کے بعضے ازاں مشابہ بعضے بہت در اعجاز زیادہ جودت لفظ وصحت معنیٰ یا برخے ازاں مصدق برخے دیگر است دورآں تناقض واختلاف نیست مثانی۔ دوبارہ ود تو کردہ یعنی مشتمل است برزوجات چوں امرونہی وعدو وعید وذکر وفکر رحمت وعذاب وبہشت دوزوخ ومومن کافر دیکھو تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ 262۔ ربی گیگر فرماتے ہیں کہ لفظ مثانی کی نسبت تمام تر

تشویش وگھبراہٹ کا باعث یہ ہے کہ یہ لفظ عربی خیال کیا گیا ہے اور اس کے اصلی ماخذ کی تحقیق وتدقیق نہیں کی گئی۔ یہودی شریعت مکتوب وغیر مکتوب دو حصوں میں منقسم تھی۔ غیر مکتوب کو مشنا کہتے تھے۔ رفتہ رفتہ تمام تعلیم واحادیث اسی نام سے نامزد ہو گئیں ایک حرفی غلطی کے واقع ہونے سے یہ لفظ مشناہ ایک لفظ کے مشتقات میں سے خیال کیا گیا جس کے معنی دہرانے یامکرر کہنے ہیں۔ سو یہ لفظ بجائے مجموعہ احادیث وروایات کے مرقومہ یامکتوبہ شریعت کے دہرانے اور مکرر کہنے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ عربی یہودیوں نے بھی یہی غلطی کی اور مثانی ہو گیا۔ اگر حضرت محمد نے اس لفظ کا درست استعمال کیا ہے تو انہوں نے ضرور قرآن کو تمام یہودی شریعت یعنی مشناہ کی جگہ قرار دیا ہے۔ اور ہر گز ہر گز ان کی مراد اس سے دہرانے یامکرر کہنے کی نہ تھی۔ گیگر کی کتاب یہودیت واسلام کے صفحہ 43 میں مندرج ہے کہ کم از کم طاؤس ایک عربی مفسر اس بات کا قائل ہے کہ تمام قرآن مثانی ہے چنانچہ لکھاہے کہ وقال الطاوس القرآن کلہ مثانی۔ وحی سے جو لوگوں پر خوف طاری ہوتا تھا یہ کچھ تعجب کی بات نہ تھی کیونکہ آسمان پر بھی وحی کی تاثیر اس قدر مانی جاتی تھی کہ وحی کے وقت تمام نظام قدرت پر تشنج کا عالم ہوتا تھا۔ فرشتگان بے حس وحرکت ہوجاتے تھے اور صرف جبرائیل کو پہلے ہوش آتا تھا۔ خلاصتہ التفاسیر جلد چہارم صفحہ 75۔

متذکرہ بالاطریقے جو حضرت محمد نے اپنی بریت اور بے گناہی کے ثبوت میں استعمال کئے ان کی بنیاد اس بات پر تھی کہ اگلے زمانہ کے پیغمبروں کے ساتھ بھی لوگوں نے ایسا ہی سلوک کیا تھا۔ قرآن کا عبارتی یا لفظی تکرار اور وحی من اللہ ہونے کا متواتر دعویٰ اس امر کو ثابت نہیں کرتے بلکہ قرآن کے پڑھنے سے عموماً جو پڑھنے والے کے دل پر تاثیر ہوتی ہے وہ یہ کہ قرآن ایک ایسے شخص کی سخن سازی ہے جس کے اپنے دل ہی کو اطمینان حاصل نہیں ہے اور زیادہ گوئی سے اس کی غرض صرف یہی نہیں ہے کہ اپنے مخالفوں کا منہ بند کرے بلکہ اپنے نا مستقیم دل کو قرار دینا اور اپنے مقلدوں کے ایمان کو مضبوط و مستحکم کرنا بھی اس کا مقصد اعلیٰ معلوم ہوتا ہے۔

ایام مکہ کے آغاز میں آنحضرت نے مشتہر کیا کہ جو لوگ قرآن کو میری جعلسازی بیان کرتے ہیں اگروہ سچے ہیں تو اس کی مانند کوئی کتاب بنالاویں۔ چنانچہ سورہ طور کے دوسرے رکوع میں مسطور ہے أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَل لَّا يُؤْمِنُونَفَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ یعنی یاکہتے ہیں یہ بات بنا لایا۔ کوئی نہیں۔ پر ان کو یقین نہیں پھر چاہیئے کوئی لے آویں بات اسی طرح کی اگروہ سچے ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل 1* ایام مکہ کے دوسرے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے اور اس کے

1* یہ سورۃ ایک مرکب المضمون سورۃ ہے 23 سے 41 آیت تک ضرور ایام مکہ سے متعلق ہے اور 75 سے 82 تک اور 87 آیت بھی اسی زمانہ سے علاقہ رکھتی ہے۔

دسویں رکوع میں بھی متذکرہ بالا دعوے کا الحاح پایا جاتا ہے چنانچہ یوں لکھا ہے قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا یعنی کہہ اگر جمع ہوویں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن نہ لاوینگے ایسا قرآن۔ اور پڑے مدد کریں ایک کی ایک۔ پھر تھوڑے دن بعد آپ نے اسی طرح سے دعویٰ کیا چنانچہ سورہ ہود کی سولھویں آیت میں یوں مرقوم ہے أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُواْ بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُواْ مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ یعنی کیاکہتے ہیں باندھ لایا ہے اس کو توکہہ تم لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی باندھ کر اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے۔

یہ دلیل ایسی قاطع اور مضبوط خیال کی جاتی تھی کہ مدینہ میں جا کر بھی آنحضرت نے اسی کو پیش کیا چنانچہ سورہ بقرہ کی اکیسویں آیت میں یوں مندرج ہے وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ یعنی اور اگر تم ہوشک میں اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس قسم کی۔

برادران اہلِ اسلام اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اس وقت سے لے کر آج تک کسی عرب و عجم نے اس قرآنی للکار کے مقابلہ کی جرات نہیں کی اور کسی نے کبھی یہ حوصلہ نہیں کیا کہ قرآن کے مقابلہ میں کچھ لکھنے یا اس کی نظیر پیش کرنے کا دم مارے۔ لیکن اس دعوے کے بیان میں بہت مبالغہ کیا جاتا ہے کہ کیونکہ قرآن کی یہ للکار اس امر کی متقاضی نہ تھی کہ قرآن کی عروض اور اس کی منظوم عبارت کی نظیر پیش کی جاوے بلکہ اس کا اشارہ نفس مضمون یعنی تعلیم توحید الہیٰ اور آخرت کی سزاوجزاوغیرہ کی طرف تھا۔

پس قریش کے لئے ان مضامین پر قرآن کی نظیر پیش کرنا ایک امر محال تھا۔ وہ جو کہ بت پرست وباطل پرست تھے اور اس قسم کے مسائل کے معتقد نہ تھے ان کے لئے کس طرح ممکن تھا کہ ایک ایسی کتاب پیش کریں جو قرآن کی نظیر ہو اور اسی طرح توحید الہیٰ کا بیان کرے؟ اگروہ اس قسم کی کتاب لکھنے کی کوشش بھی کرتے تو اس میں شک نہیں کہ وہ ضرور قرآن ہی کی نقل کرتے اور چونکہ نقل کا درجہ ہمیشہ اصل سے کم ہوتا ہے اس لئے حضرت محمد ضرور ان پر سبقت 1* لے جاتے۔ تو بھی اگر فوقیت طرز بیان اور عبارت کے ربط ضبط سے مراد ہے تو بیرن ڈی سیلن صاحب کا بیان

بالکل بجا اور تیر بہ ہدف کا حکم رکھتا ہے ۔وہ فرماتے ہیں کہ اگر اب ہم قرآن کو قواعد عروض کی رو سے بہ نظر غور دیکھیں توموجودہ اسلامی کالجوں کے علوم کے بموجب قرآن عبارتی نظم ونسق اور ربط ضبط کا ایک اعلیٰ اور بے نظیر نمونہ ہے کیونکہ عروض وغیرہ کے متعلق موجودہ قواعد جس قدر ہیں وہ سب کے سب اسی سے لئے گئے ہیں۔ پامر صاحب فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے لائق وفائق مصنفین کا قرآن کے مقابلہ میں اس پایہ کی کوئی کتاب پیش نہ کرنا باعث حیرت اور جائے تعجب نہیں ہے کیونکہ وہ پہلے ہی سے اس امر کو ناممکن قرار دے چکے ہیں اور اس کے طرز بیان کو بے نظیر اور عدیم المثال مان چکے ہیں۔ پس اس سے ہر طرح کا خلاف ونحراف اعلیٰ درجہ کا نقص اور عیب خیال کیا جاتا ہے ۔ قرآن

1* نولدیکی صاحب کی کتاب کشتی دس قرآن کا صفحہ نمبر 44 ملاحظہ فرمائیے۔

کے کلام الہیٰ ہونے کے مسلمہ دعویٰ کے باعث اہل اسلام کے لئے اس کے کسی لفظ یا حرف پر بھی انگشت اعتراض اٹھانا ناممکن ہے اور برخلاف اس کے کوئی قرآن کی نقطہ چین کرے قرآن اس درجہ کا اعلیٰ وبرتر تسلیم کیا گیا ہے کہ دیگر کتب کا اس کو منصف ومصدق قرار دیا جاتا ہے ۔ عالمان علم وادب مولفانِ لغت اور تمام فصیح وبلیغ عالم وفاضل علمائے اسلام اس امر کو بلادلیل ہی تسلیم کرچکے ہیں کہ قرآن میں کسی طرح کی غلطی کا امکان ہی نہیں ہے اور دیگر کتب کو وہیں تک فصاحت وبلاغت کا رتبہ حاصل ہے جہاں تک ان میں قرآن کی مطابقت اور موافقت 1* پائی جاتی ہے ۔اہلِ اسلام نے اب تک بالااتفاق اس بات کا فیصلہ نہیں کیا کہ قرآن کن معنوں میں فوقیت کا دعویدار ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ فوقیت قرآن کی فصاحت وبلاغت یا اس کے نفس مضمون یا مختلف حصص کی مطابقت اور مشابہت 2* سے ثابت ہوتی ہے ۔فرقہ معتزلین کا اعتقاد ہے کہ اگر خدا انسان کو اجازت دیتا توضرور لوگ قرآن کی مانند فصاحت وبلاغت اور استدلال 3* سے بھری ہوئی سورتیں بنا کر پیش کرسکتے تھے۔

سورۃ الشوریٰ جو کہ آخری زمانہ کی مکی سورتوں میں سے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک آنحضرت مکہ میں تشریف فرمارہے ہمیشہ اہل مکہ آپ پر یہ الزام لگاتے رہے کہ قرآن من جانب

1* Sacred Books of The Past vol vi pp 55

2* Muir's Beacon of Truth صفحہ 26

3* Faith of Islam مصنفہ سیل صاحب صفحہ 9

لگاتے رہے کہ قرآن من جانب اللہ نہیں ہے بلکہ آپ کی افترا واختراع کا ظہور ہے ۔چنانچہ 23آیت میں مرقوم ہے أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِن يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ یعنی کیاکہتے ہیں اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ سو اگر اللہ چاہے مہر کردے 1* تیرے دل پر۔

آنحضرت کے ایام حیات میں یہ اول موقعہ تھا کہ یہودی دین کے معتقدوں اور آپ کے درمیان ایک رشتہ قائم ہوا۔ جب تک آپ مکہ میں رہے آپ کی نظیر میں مذہب یہود اور دین عیسوی اسلام کے ہم پلہ اور ہم رتبہ تھے اور آپ کا خیال تھا کہ ان ادیان کے معتقد ان کے مطابق چلنے سے نجات حاصل کرینگے بلکہ زمانہ مابعد میں آپ نے مدینہ پہنچ کر بھی فرمایا تھا تحقیق جولوگ مسلمان ہوئے

1* اس آیت کا ٹھیک مطلب بیان کرنا بہت مشکل ہے ۔ غالباً اس کے معنی یہی معلوم ہوتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا ہے توتیرے ایسا کرنے پر تجھ سے رسالت وپیغمبری کوواپس لے لیتا اور اگر یہ الزام ٹھیک نہیں بلکہ محض اتہام ہے تواپنے دل کو مضبوط کر اور صبر سے برداشت کر۔ تفسیر حسینی کی جلد دوم کے صفحہ 295 پر یختم علیٰ قلبک کی یوں تشریح کی جاتی ہے کہ مہر نہد بردل توا گر افتدا کنی۔ وقرآن برتو فراموش گرداند۔ یامہر نہد بردل تو بصبر وشیکبائی تا ازآزاد وجفائے ایشاں متعزز نہ باشی یامہر شوق ابدی ومحبت لم یزلی دردل تو نہد تا التغات بغیر دے نہ کنی وازاجابت وابائے خلق فارغ گرد۔

جولوگ مسلمان ہوئے اور جولوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو کوئی یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور کام کیا نیک توان کو ہی ان کی مزدوری اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غم کھاوینگے۔

سورہ رعد جو کہ آخری زمانہ کی مکی سورت ہے اس میں بھی حضرت محمد ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ آپ پر وحی نازل ہونے کے باعث یہودی بہت خوش تھے چنانچہ پانچویں رکوع کی آیت 36میں مندرج ہے وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ یعنی اور جولوگ 1* کہ دی ہے ہم نے ان کو کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو اتارا گیا تیری طرف۔

اگرچہ آنحضرت کے ایام مکہ میں ظاہری طور پر یہودیوں سے رابطہ اتحاد وقائم تھا توآپ یہودی دین کو اسلام سے کم درجہ کا قرار دیتے تھے اور جب آپ مدینہ تشریف لے گئے تو اس امر کا صاف بیان کردیا۔ اور دو آخری مکی سورتوں میں اس طرح مرقوم ہے وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ یعنی اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب سو مجھ سے ڈرتے رہو (سورہ المومنون رکوع 4 آیت 56)اور إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ یعنی یہ لوگ

ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں رب تمہارا سو میری بندگی کرو (سورۃ الانبیاء رکوع ششم آیت 92)۔

عہد عتیق اور تواریخ یہود کی نسبت قرآن میں بہت سی باتیں مندرج ہیں اور ان کا بیان کئی طرح پر ہے قرآن کا مدعا محض یہی نہیں کہ وہ اپنے آپ کو من جانب اللہ اور کلام الہیٰ ثابت کرے بلکہ پہلی کتب مقدسہ کی صداقت کا اظہار بھی اس کا مقصد اعلیٰ ہے۔ چنانچہ سورہ احقاف کے دوسرے رکوع کی دوسری آیت میں یوں مندرج ہے وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَى إِمَامًا وَرَحْمَةً وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا یعنی اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ کی ہے اور راہ ڈالتی اور رحمت اور یہ کتاب سچا کرنے والی ہے اس کو عربی زبان میں۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مکہ میں جن یہودیوں سے آنحضرت کا رابطہ اتحاد قائم تھا انہوں نے آپ سے کہا کہ توریت میں خدا تعالیٰ اکثر رحمنٰ کے نام سے پکارا گیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اس کو کبھی اس نام سے نہیں پکارتے۔ آپ پر فی الفور وحی نازل ہوئی اور فرمایا قُلِ ادْعُواْ اللّهَ أَوِ ادْعُواْ الرَّحْمَـنَ أَيًّا مَّا تَدْعُواْ فَلَهُ الأَسْمَاء الْحُسْنَى یعنی کہہ اللہ کر پکارو یا رحمنٰ کر جوکہہ کر پکاروگے سو اس کے ہیں سب نام خاصے(سورہ بنی اسرائیل آیت 110)۔

آخری سورتوں میں لفظ رحمنٰ 1* اس خوف سے کہ مبادا اللہ والرحمن دو خدا سمجھے جاویں بالکل استعمال نہیں کیا گیا۔ اس خطرہ کی نسبت قرآن بھی متنبہ کرتا ہے چنانچہ سورہ نحل کی 51آیت میں مندرج ہے وَقَالَ اللّهُ لاَ تَتَّخِذُواْ إِلـهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلهٌ وَاحِدٌ فَإيَّايَ فَارْهَبُونِ یعنی اور کہا اللہ نے نہ پکڑو معبود دو وہ معبود ایک ہی ہے سو مجھ سے ڈرو۔

قبیلہ قریش کے لوگوں نے بھی لفظ الرحمنٰ پر اعتراض کیا اور کہنے لگے ما الرحمن السجد لما تا مرنا یعنی کیا ہے رحمنٰ؟ کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جس کو تو فرماویگا؟ (سورہ فرقان رکوع پنجم) جب قریش نے یہ کہا تھا کہ کیا ہم ایک پاگل اور دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑدیں؟ تو اس کا جواب یوں دیا گیا تھا کہ نہیں وہ پاگل اور دیوانہ نہیں ہے بلکہ وہ سچائی کے ساتھ آیا ہے اور جو اس سے پہلے بھیجے گئے ان کی باتوں کی تائید کرتا ہے اور ان کے پیغام کو سچ ثابت کرتا ہے۔ مفسرین کے بیان کے مطابق جو اس سے پہلے بھیجے گئے تھے ان سے قدیم زمانہ کے نبی اور پیغمبر مراد ہیں جو آنحضرت سے پہلے اللہ جلشانہ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت ورہبری کے لئے دنیا میں بھیجے گئے۔ چنانچہ سورہ جاثیہ کی 15اور 16آیت میں یوں مرقوم ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ اور ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا یعنی اور ہم نے دی ہے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور پیغمبری۔ پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستے پر اس کام کے سو تو اسی پر چل۔

بہت سے اس قسم کے جملات پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد نے زمانہ قدیم کی یہودی تواریخ سے کسی قدر واقفیت حاصل کرلی تھی لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ آنحضرت نے کبھی بائبل شریف کا مطالعہ 1* کیا۔ آنحضرت کے بیانات بائبل شریف سے تو کچھ مطابقت نہیں رکھتے پر یہودیوں کے ربیوں کے قصہ کہانیوں اور تذکرۃ الاولیا سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ضرور آپ کی چند یہودیوں سے آشنائی اور دوستی تھی جن سے آپ نے وہ تمام سرمایہ مضامین میں جمع کیا جس کا آپ نے بعد میں قرآنی وحی الہام کے پیرایہ میں ذکر کیا۔ میور صاحب کا بیان ہے کہ قرآن میں سچ اور جھوٹ دونوں ملے ہوئے ہیں۔ یہ وضعی تشریحات وتصورات اور طفلانہ بے مغزی سے پر ہے۔ اس میں بہت سے بناوٹی قصے اور کہانیاں بار بار بیان کی گئی ہیں۔ اور

1*۔ اس میں کلام نہیں کہ حضرت محمد نے یہودی یا عیسائی دین کی کوئی کتاب خود نہیں پڑھی اور یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جس قدر عہد عتیق کے قصص درج ہیں وہ سچے اور اصلی ہونے کی نسبت بناوٹی کہانیوں اور افسانوں سے زیادہ تر مشابہت رکھتے ہیں اور عہد جدید کی نسبت جس قدر بیانات ہیں وہ سب کے سب پرانی خیالی کہانیوں کی مانند ہیں اور غیر معتبر اناجیل کے بیان سے ملتے جلتے ہیں۔ نولدیکی صاحب کی کتاب گشختی دس قرآن کا چھٹا صفحہ ملاحظہ فرمائیے سورہ اعراف کی 156و158آیت میں النبی الامی یعنی ان پڑھ نبی سے بھی متذکرہ بالا امور کی تائید ہوتی ہے۔ سورہ بقرہ کی 73ویں آیت میں ومنہم امیون یعنی وہ جو یہودیوں میں سے ان پڑھ ہیں مندرج ہے اور اس سے وہ یہودی مراد ہیں جو توریت شریف سے ناواقف ہیں اور اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کو کتب مقدسہ کا کچھ علم نہ تھا۔ اسی طرح حضرت محمد کے حق میں جو لفظ الامی استعمال کیا گیا ہے اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ آنحضرت کو بائبل شریف یعنی قدیمی کتب مقدسہ کا کچھ علم نہ تھا۔ اہل اسلام کے بیان کے مطابق ہر گز ہر گز اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ چونکہ آنحضرت ایسے لکھے پڑھے اور خواندہ نہ تھے کہ قرآن جیسی کتاب بنالیتے اس لئے قرآن کلام الہیٰ ہے سیل صاحب کی کتاب عقیدہ اسلام کا تیراہواں صفحہ مطالعہ کیجئے۔ الامی سے یہ بات مطلق ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت پڑھنے سے عاجز تھے یا ایک ان پڑھ اور جاہل آدمی تھے۔ دیکھو صفحہ 11 نولدیکی صاحب کا گشختی دس قرآن۔ علاوہ اس کے گیگر صاحب کی کتاب یہودیت واسلام کے بیسویں صفحہ پر ایک نہایت دلچسپ حاشیہ کا بھی مطالعہ کیجئے۔ عہد عتیق سے قرآن میں صرف 37ویں زبور کی 24ویں آیت اقتباس کی گئی ہے چنانچہ سورۃ الانبیاء کے ساتویں رکوع میں مندرج ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے بعد کہ آخر زمین پر مالک ہونگے میرے نیک بندے ۔

آنحضرت کی یہ متواتر جدوجہد کہ اپنے آپ کو اگلے زمانے کے انبیاء سے مانا ومشابہ ثابت کرے اور آپ کا اپنے زمانہ کی گفتگو اور محاورات کو ان کے منہ میں ڈالنا اور ان کے مفروضہ مخالفین کے جوابات کا بار بار پیش کرنا قرآن کے پڑھنے ولے کو مضمحل اور متنفر کردیتا ہے 1*۔ اس جگہ زیادہ ترقابل غور یہ بات ہے کہ آپ کا ان تمام اخبار کو وحی کی زبانی بیان کرنے سے یہ مطلب تھا کہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ جیسا خدا کی طرف سے حکم آتا ہے ویسا ہی بیان کرتا ہوں چنانچہ سورہ سورہ ص کے پانچویں رکوع میں یوں مندرج ہے مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَى إِذْ يَخْتَصِمُونَإِن يُوحَى إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ یعنی مجھ کو کچھ خبر نہ تھی اوپر کی مجلس کی جب آپس میں تکرار کرتے ہیں۔ مجھ کو تو یہی حکم آتا ہے کہ اور نہیں میں ڈر سنانے والا ہوں کھول کر۔

1*لائف آف محمد مصنفہ میور صاحب دوسری جلد صفحہ نمبر 185۔

گمان غالب ہے کہ آپ نے یہ باتیں یہودیوں سے سیکھیں ہونگی لیکن ان کو نبی اللہ ہونے کی دلیل گرادنتے ہیں۔ نیز آنحضرت کا دعویٰ ہے کہ حضرت یوسف کا قصہ بھی آپ کو بذریعہ وحی الہیٰ معلوم ہوا۔ چنانچہ سورہ یوسف کی تیسری آیت میں مرقوم ہےنَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَـذَا الْقُرْآنَ یعنی ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہتر بیان اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن۔ اس کے بعد حضرت یوسف کا قصہ شروع ہوتا ہے اور وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ یہودیوں کے تذکرۃ الاولیا میں پایا جاتا ہے ۔ پر سورہ یوسف کے گیارہویں رکوع اور 111آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت محمد کو خود خدا نے وحی کے وسیلہ سے یعنی فرشتہ جبرائیل کی معرفت سکھلایا 1*چنانچہ لکھا ہے ذَلِكَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ یعنی یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تجھکو۔

باوجود ان تمام الہیٰ دعووں اور اظہار وحی کے اہل مکہ نے آپ کا اعتبار نہ کیا اور یوں کہنے لگے انما یعلمہ بشر یعنی اس کو تو سکھاتا ہے آدمی۔ آنحضرت اس اتہام کا جواب اسی آیت میں یوں دیتے ہیں کہ جس شخص کی نسبت تم کو شک ہے کہ وہ مجھ کو سکھاتا ہے وہ تو اجنبی ہے عرب 2* نہیں یعنی اس کی زبان عربی نہیں ہے اور قرآن صاف عربی زبان میں ہے۔

1*سورہ ص کی 70آیت میں پیدائش مخلوقات کے باب میں بھی ایسا بیان پایا جاتا ہے۔

2*اعجمی کا ترجمہ مفسر حسین کے نزدیک فصاحت سے خالی ہے اور وہ بیان کرتا ہے کہ حضرت محمد کی تقریر فصاحت و بلاغت سے پر تھی پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ آنحضرت نے ایک ایسے شخص سے قرآن سیکھا ہو جو کہ فصیح و بلیغ نہ تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اعجمی سے عبرانی مراد ہے۔ ویری صاحب کی تفسیر قرآن کی جلد سوم صفحہ 45 پر اس آیت پر ایک بہت لمبا چوڑا نوٹ قابل ملاحظہ ہے 119و120اور 125آیات صاف مدنی ہیں اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سورہ نحل مکی ومدنجی ملی جلی ہے

حضرت محمد کے مندرجہ بالاجواب کی اس طرح باآسانی تردید ہوسکتی ہے کہ وہ شخص آپ کو مضامین بتاتا تھا اور آپ ان کو عربی زبان میں پیش کرتے اور سناتے تھے۔ حضرت محمد کو بار بار اس قسم کے الزامات کی تردید کرنی پڑی تھی۔ چنانچہ سورہ فرقان کی پانچویں آیت میں یہ الزام پایا جاتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ یعنی اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں مگر یہ جھوٹ باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے۔

قبیلہ قریش کے لوگ اپنے معتقدات پر جمے رہے اور جن قصوں کی بابت آنحضرت کا یہ دعویٰ تھا کہ جبرائیل کی معرفت آپ کو خدا نے سکھلائے وہ ان سب کو یہودی تواریخ سے منسوب کرتے رہے چنانچہ سورہ فرقان کی چھٹی آیت میں مرقوم ہے وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا یعنی نقلیں ہیں اگلوں کی کہ لکھ لیا ہے ان کو سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح وشام۔

اب قبیلہ قریش کے لوگوں نے ایک نئی روش اختیار کی اور وہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت محمد کے خاندان کو برادری سے خارج کردیا اور ان سے ہر طرح کی برادرانہ راہ رسم کو منقطع اور بند کردیا اور کچھ عرصہ تک حضرت محمد اپنے تمام خاندان سمیت شہر مکہ کے ایک حصہ میں بالکل انتہا اور علیحدہ رہے پر اس کے بعد چند قریشی آپ پر ترس کھانے اور نرم دل ہونے لگے ۔ عین اسی موقع پر آنحضرت کے حامی وحافظ عم مشفق ابو طالب وفات پاگئے اور ان سے پانچ ہفتے بعد آپ کی مہربانی اور پیاری زوجہ بھی اس دارناپائدا سے کوچ کرگئیں اور ان حادثات کے باعث اب معاملہ نہایت نازک ہوگیا۔

اب حضرت محمد نہایت غمزدہ بے یاو غمخوار اور ازحد نا امیدی کی حالت میں پڑ کر اس شش وپنج میں تھے کہ اہالیان طائف مجھے اس حالت میں کہ اہل مکہ رد کرچکے ہیں قبول کرینگے یا نہیں۔ طائف مکہ سے مشرق کی طرف قریباً ستر میل کے فاصلہ پر واقع ہے ۔ آنحضرت اپنے وفادار غلام زید کے ساتھ جو آپکا

متنبیٰ بھی تھا طائف میں وارد ہوئے اور روسائے شہر سے ملاقات کی اور اپنے مدعا سے آگاہ کیا پر انہوں نے آپ کو قبول نہ کیا اور آپ کی تعلیم کے شنوا نہ ہوئے۔دس دن کے بعد آنحضرت پر پتھراؤ کیا گیا اور آپ کو نہایت زخمی اور خستہ خاطر ہو کر اس شہر سے بھاگنا پڑا۔ جب آپ مکہ کو واپس آتے وقت نصف راہ طے کر چکے تو وادی نخلہ میں آپ نے قیام کیا اور اپنے پیغام کی تردید اور خستہ حالی کے باعث آپ پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی کہ اپنے توہمات وخیالات میں غلطاں وپیچاں ہو کر آپ نے جنوں کی ایک جماعت کو اسلام قبول کرتے ہوئے دیکھا اور سوہ جن 1* نازل ہوئی۔ ترجمہ توکہہ کہ مجھ کو

1* راڈویل صاحب کے قرآن کے صفحہ 157 کا حاشیہ نمبر 3 ملاحظہ فرمائے۔ اس سفر کا مفصل حال دریافت کرنے کے لئے لائف آف محمد جلد دوم مصنفہ میور صاحب کو 200 سے 207 صفحہ تک مطالعہ کیجئے۔

حکم آیا ہے کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے۔ پھر کہا ہم نے سنا ہے کہ ایک قرآن عجیب۔ سمجھاتا ہے نیک راہ سو ہم اس پر یقین لائے۔ اور یہ کہ جس وقت کھڑا ہو اللہ کا بندہ اس کو پکارتا تو لوگ ہونے لگتے ہیں اس پر ٹھٹھہ۔

جب حضرت محمد کے پیغام کو جنات نے اس قدر سر گرمی سے قبول کیا تو آپ کو بہت تسکین ہوئی کیونکہ انسانوں کی حقارت و بے پروائی سے آپ نہایت آزردہ دل اور پژمردہ خاطر تھے۔ اس واقعہ کا بیان سورہ احقاف کے چوتھے رکوع میں یوں مندرج ہے۔ یعنی اور جب متوجہ کردئے ہم نے تیری طرف کئی لوگ جنوں میں سے سننے لگے قرآن باوجود اس سب کے آپ کا طائف میں جانا بے فائدہ تھا۔ حضرت محمد نے بہتری کوشش کی اور بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے لیکن آپ کی تمام ترکوششوں کا نتیجہ سوائے ناکامیابی کے اور کچھ نہ ہوا۔ اس خیال کے مطابق میور صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت محمد کا طائف سے مکہ کی طرف جو سفر تھا وہ شجاعت وبہادری سے خالی نہ تھا۔ آنحضرت کو اپنے ہی خاندان کے لوگوں نے رد کردیا تھا۔ خاندان سے خارج کئے گئے سب آپ کو حقیر جانتے تھے لیکن آپ نہایت بہادری کے ساتھ خدا کی بزرگی وجلال کے لئے جس طرح حضرت یونس نینوہ کے بت پرست لوگوں کی فلاح وبہتری کے لئے ہمہ تن ساعی وکوشاں تھے اسی طرح آپ اکیلے اپنے ہم وطنوں کو عذاب الہیٰ سے ڈراتے اپنی رسالت اور توبہ واستغفار کی منادی کرتے رہے اور طرح طرح سے ثابت کرتے رہے کہ میں مرسل من اللہ ہوں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کے دل میں اس امر کا نہایت ہی پختہ یقین تھا کہ میں خدا کی طرف سے ہوں۔ جب آپ طائف سے مکہ میں واپس آئے تو قریش کو کمافی السباق سخت مخالف پایا۔ اب یہ بات اظہر من الشمس تھی کہ فریقین میں سے ایک ضرور مغلوب ہوجائیگا۔ آنحضرت کے خاطر خطیر میں رفتہ رفتہ مکہ سے ہجرت 1* کرجانے کا خیال موجزن ہونے لگا کیونکہ مکہ میں آپ بالکل ناکامیاب رہے۔ آنحضرت حسب ونسب میں اعلیٰ تھے اور محافظانِ کعبہ سے آپ کا رابطہ اتحاد قائم تھا۔ آپ میں صبروشجاعت اور فصاحت وبلاغت وغیرہ بہت سے ذاتی خوبیاں تھیں لیکن باوجود اس سب کے پھر بھی بہت تھوڑے لوگ آپ پر ایمان لائے۔

1* سورہ عنکبوت کے چھٹے رکوع میں اشارۃ اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے چنانچہ لکھا ہے يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ یعنی اے میرے بندو جو یقین لائے ہو میری زمین کشادہ ہے سو مجھ ہی کو بندگی کرو۔ راڈویل صاحب اس کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ اگر تم اپنے وطن سے نکالے جاؤ تو تم کو ضرور زمین میں ایسی پناہ کی جگہ مل سکتی ہے جہاں بلاخوف اکیلے سچے خدا کی عبادت کرسکو۔ یہ آیت بالکل صاف طور سے ایام مکہ کے آخری حصہ کی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت محمد کے اس قسم کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کی مکہ سے ہجرت بہت قریب الوقوع تھی۔ راڈویل صاحب کے قرآن کا 329 واں صفحہ مطالعہ کیجئے۔

مفسرین ارضی واسعتہ کی تفسیر میں کہتے ہیں زمین کشادہ است ہجرت کنیدا موضع خوف بمنزل امن (تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ 183واں) بعض کے نزدیک اس میں خاص مدینہ کی طرف اشارہ ہے (تفسیر ابن عباس صفحہ 461واں) یوں بھی لکھا ہے کہ مکہ کے مصیبت زدہ اور مظلوم مسلمانوں کی تسلی وتشفی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی تھی اور کفارہ سے لڑنے کا حکم ابھی صادر نہیں ہوا تھا بلکہ یہ حکم ملا تھا کہ بھاگ کر اپنی جان بچاویں (خلاصتہ التفاسیر جلد سوم صفحہ 471واں) ان تمام متذکرہ بالا باتوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت حضرت محمد اپنے مومنین کو مکہ سے ہجرت کرنے کے لئے تیار کررہے تھے۔

مکہ میں آپ کو کسی طرح سے ذرا بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی اور اب آپ کے لئے سوائے اس کے کسی اور جگہ جا کر قسمت آزمائی کریں اور کوئی امید باقی نہ تھی۔

حضرت محمد شہر یثرب سے بخوبی واقف ہی تھے آپ کے دادا اور پڑدادا یثرب کے باشندے تھے اور آپ کے والد صاحب کی قبر اسی شہر میں تھی۔

اہالیان مکہ ومدینہ کے درمیان بہت کچھ حریفانہ خیالات نے جو پکڑی ہوئی تھی جس شخص کی مکہ میں تحقیروبے عزتی کی جاتی تھی ممکن نہ تھا کہ مدینہ میں بھی وہی حالت ہو۔ علاوہ اس کے یثرب کی دو بڑی زبردست قوموں کے درمیان سو سال سے زیادہ عرصہ سے جانی دشمنی چلی آتی تھی اور اب وہ وقت آگیا تھا کہ ان کا کوئی بادشاہ یا حکم مقرر کرکے ان تمام جدائیوں اور تفرقات کا خاتمہ کیا جاوے۔

ماسوائے اس کے وہاں یہودیوں کی بھی ایک بڑی بھاری بستی تھی جس سے دینی اصلاح کے باب میں ایک باب وانظر آتا تھا۔ ساکنان مکہ روحوں کے بالکل منکر تھے اور آنحضرت کی تعلیم کے روحانی حصہ کو قبول کرنا ان کے لئے از بس مشکل ودشوار تھا پر یثرب کے باشندوں کی یہ حالت 1* نہ تھی۔ مدت تک یہودیوں کے ساتھ رہنے سہنے اور راہ رسم رکھنے کے باعث وہ لوگ خدا کی وحدانیت اور پیغمبروں

1* اب حضرت محمد کو چند ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جو مکہ میں آپ کو کبھی پیش نہ آئی تھیں قریش کی لاعلمی اور جہالت کے باعث آنحضرت قرآن کو جس صورت میں چاہتے پیش کرسکتے تھے چنانچہ جب آپ نے حضرت نوح اور ابرہیم کی بابت یونہی بے ہودہ اور لغو قصے بیان کئے جو کہ بعض باتوں میں قدیمی کتب مقدسہ کے قصص کے مشابہ معلوم ہوتے تھے اور جن کی نسبت آپ نے بیان کیا کہ آپ کو یہ قصے خدا نے حضرت جبرائیل کی معرفت سکھائے ہیں تو اہل مکہ اپنی جہالت ولاعلمی کے باعث ان کی تکذیب نہیں کرسکتے تھے لیکن مدینہ میں وہی لوگ اور وہی کتابیں آپ کی مخالفت کرنے لگیں جن کو آپ مکہ میں اپنی رسالت کی صداقت کے ثبوت میں پیش کیا کرتے تھے Osborn's Islam Under the Arab صفحہ 43

کی معرفت وحی ومکاشفات اور عالم آخرت وغیرہ مضامین سے کسی قدر واقف ہوگئے تھے۔ یثرب سے اسلام نے بہت کچھ حاصل کیا اور اگر حضرت محمد یثرب میں نہ چلے جاتے تو اہل مکہ سے مردود ہو کر کہیں ایک سر گرم مست مولا کی طرح زندگی بسر کرتے اور بس۔ پس اگر یثرب کو اسلام کا مولد اور عرب کی ملکی تدابیر وفتوحات کا مرکز کہیں تو بالکل بجا اور درست ہے چنانچہ اس کو مدینہ النبی یعنی نبی کا شہر کہتے ہیں اور یہ نام اس پر بالکل صادق آتا ہے۔ اس شہر سے جن لوگوں نے آنحضرت کو قبول کیا اور آپ پر ایمان لائے ان کو انصار یعنی حامیوں اور مددگاروں کے خطاب سے ممتاز کیا گیا۔ اہل مدینہ کے خیالات اور ان کے موجودہ عام حالات سے معلوم ہوتا تھا اور امید ہوسکتی تھی کہ آنحضرت کو مایوسی اور شکستہ دلی سے نجات حاصل ہوگی۔ چونکہ قریش کی متواتر مخالفت اور اپنی تمام کوششوں کے بے اثر اور لاحاصل ثابت ہونے سے آنحضرت نہایت رنجیدہ دل اور کبیدہ خاطر تھے اس لئے کچھ تعجب کی بات نہ تھی کہ ہجرت کے خیالات آپ کے دل میں جوش زن ہونے لگے۔ چنانچہ سورہ انعام 1* کے تیرھویں رکوع میں مرقوم ہے اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ لا إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ یعنی تو چل اس پر جو حکم آوے تجھ کو تیرے رب سے کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے اور جانے دے شرک کرنے والوں کو۔ مذکورہ بالا آیت کے آخری الفاظ آنحضرت کی مکہ سے ہجرت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ آنجناب کے خیالات مطابق اس امر یعنی جواز ہجرت کے بارہ میں وحی نازل

ہوا۔ 620ھ میں عین اس وقت جبکہ عرب کے بت پرستوں کے لئے کعبہ کے سالانہ حج کا موقعہ تھا آنحضرت نے چند مدنی مسافروں کو دیکھا اور ان سے سوال کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم

1* اس سورت میں چند آیات مدنی ہیں کیونکہ 91ویں آیت میں یہودیوں پر کتمان کلام اللہ کا الزام لگایا گیا ہے اور اس قسم کے الزام اہل مکہ سے کچھ علاقہ نہ رکھتے تھے بلکہ ساکنان مدینہ پر عاید ہوتے تھے 92ویں آیت میں قرآن کی نسبت یوں مرقوم ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے مبارک کتاب ہے اور جو اس سے پیشتر نازل ہوئیں ان کی مصدق ہے اور یہ اسلئے ہے کہ تو شہر ام القریٰ اور اس کے گردو نواح کے شہروں کے باشندوں کو ڈرسناوے ۔ سیل صاحب فرماتے ہیں کہ ام القریٰ کے معنی شہر کی ماں ہے اس سے عرب کا دارالسلطنت یعنی شہر مکہ مراد ہے۔ سیل صاحب نے چند مفسرین کے بیان کو اپنے اس بیان کے ثبوت میں پیش کیا ہے پر قرآن کی عبارت سے زیادہ تر مدینہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد نے طائف کی ہجرت کے ایام میں مکہ اور اس کے گردو نواح کے لوگوں کو وعظ کرنا پسند نہ کیا عموماً جو سورتیں بعد میں نازل ہوئیں ان کی بہت سی آیات پہلی سورتوں میں داخل کردی گئیں ۔ ویری صاحب کی تفسیر قرآن جلد دوم صفحہ 82 اور لائف آف محمد مصنف میور صاحب کی جلد دوم کا صفحہ نمبر 268 مطالعہ کیجئے۔

خررجی ہیں اورمدینہ میں ہمارے درمیان باہمی حسدو کینہ کی آگ مشتعل ہے ۔ شاید ہمارے لوگوں کو تیرے وسیلہ سے خدا بلاوے۔ جس ایمان کے ہم خود معتقد ہیں اس کی طرف ہم ان کو مدعو کرینگے اور خدا ان کو تیری طرف کردے اور وہ تجھ پر ایمان لے آویں تو ضرور تو سب پر غالب ہوگا۔ پھر آپ نے ان سے ایک اور سوال کیا جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہم یہودیوں سے رابطہ اتحاد رکھتے ہیں اور ہماری ان سے دوستی ہے۔ اس پر آنحضرت نے اسلام کی تعلیم پیش کی اور قرآن 1* کے چند مقامات انہیں پڑھ کر سنائے۔ اب یہ بات بخوبی واضح ہوجائیگی کہ یہ مدنی لوگ جن سے آنحضرت کی مکہ میں ملاقات ہوئی تھی ان میں سے بعض یہودی 2* بھی تھے۔ چنانچہ سورہ یونس جو کہ آخری زمانہ کی مکی سورۃ ہے اس کے چوتھے رکوع میں مندرج ہے بَلْ كَذَّبُواْ بِمَا لَمْ يُحِيطُواْ بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ یعنی بلکہ جھٹلاتے رہے ان سے اگلے سو دیکھ لے کیسا ہوا آخر گنہگاروں کا۔ پھر ایک اور مکی سورۃ یعنی سورہ احقاف کی 9 آیت میں یوں لکھا ہے إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ یعنی اگر یہ ہو اللہ کے یہاں سے اور تم نے اسکو نہیں مانا اور گواہی دے

1* دیکھئے کیلی صاحب کی کتاب محمد و محمدیت صفحہ نمبر 108

2* اس لئے بعض محققین کے نزدیک یہ آیت بلکہ یہ ساری سورت ہی مدنی ہے۔

چکا ایک گواہ 1* بنی اسرائیل کا ایک ایسی کتاب کی پھر وہ یقین لایا اور تم نے غرور کیا اور بے شک اللہ راہ نہیں دیتا گنہگاروں کو۔

اب اتفاق یہ ہوا کہ جب یہودیوں نے جو کہ اپنے مسیح کی آمد کے منتظر تھے فرقہ خررجیہ کے ہاتھ سے تکلیف اٹھائی تو انہوں نے کہا کہ اب وہ وقت بہت قریب آگیا ہے جبکہ کوئی نبی برپا کریگا اور ہم اس کی پیروی کرکے اس کی مدد سے ان کو نیست کرینگے ۔ جب حضرت محمد نے نبوت کا دعویٰ کیا تو ساکنان مدینہ کو خیال ہوا کہ شاید وہی نبی ہے جس کی آمد کے یہودی منتظر ہیں چنانچہ انہوں نے مناسب جانا کہ آنحضرت کو اپنا طرفدار بنالیں ۔ پس یہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور آپ کو نبی تسلیم کیا۔ حضرت محمد نے ان نومریدوں سے درخواست کی کہ

1*ان امور کے باب میں آیا یہ ہے کہ گواہ اور آنحضرت کے دیگر یہودی حامی آپ کے مقلدوں اور مومنین میں سے تھے یا وہ غلام تھے جو مکہ میں رہتے تھے یا ساکنان مدینہ میں سے یہودی زائد تھے جن کے ساتھ آنحضرت نے رابطہ اتحاد قائم کر رکھا تھا کچھ ٹھیک پتہ نہیں ملتا۔ اور خیال ووہم کے سوا کوئی بات کہی نہیں جاسکتی Muir's Life of Muhammad جلد دوم صفحہ 185 معالم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاید ایک یہودی عالم عبداللہ بن سلام تھا جو کہ آنحضرت پر مدینہ میں ایمان لایا۔ کبیر کا بیان ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس لئے ضروری ہے کہ یہ شاہد بھی مدینہ ہی کا یہودی ہو۔ دیکھو خلاصتہ التفاسیر جلد چہارم صفحہ نمبر 201۔

مدینہ میں حمایت ومحافظت کریں۔ انہوں نے عرض کی کہ چونکہ ہمارے لوگوں میں بہت نا اتفاقی اور ناموافقت ہے اس لئے بہتر ہے کہ ہم مدینہ کو جاویں اور لوگوں کو اسلام کی طرف مدعو کریں اور اگر خدا ان کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرے اور وہ ایمان لاویں تو اگلے سال حج کے موقعہ پر جو کچھ نتیجہ ہوگا عرض کرینگے۔ جلال الدین السیوطی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نومریدوں کو آپ نے سورہ یوسف 1* سنائی۔ ساکنان مدینہ یہودیوں سے ملنے جلنے کے باعث حضرت یوسف کے قصہ سے کسی قدر واقف تھے لیکن حضرت محمد نے ان کو اب یہ قصہ اس غرض سے مفصل طور پر سنایا کہ ان پر ثابت کرے کہ زمانہ گذشتہ کے قصص وواقعات آپ کو خدا نے سکھلائے ہیں۔ یہ تمام قصہ محض موسوی بیان کی ایک تمسخر انگیز نقل معلوم ہوتی ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ آنحضرت نے یہ تمام کہانی ایسے لوگوں سے سنی تھی جن کو اس کا ٹھیک علم نہ تھا بلکہ کمزور وغیر معتبر روائتوں کے مطابق بیان کرتے تھے۔ غرض یہ سال ان نومریدوں کی چھوٹی سی جماعت نے مدینہ میں بڑے استقلال وایمان کے ساتھ بسر کیا۔ دوسرے سال جب پھر حج کا وقت آیا تو مدینہ کے حاجیوں میں 12 انصار تھے ۔

انہوں نے بھی آنحضرت سے شرف ملاقات حاصل کیا اور آنحضرت کی تعلیم کو ماننے اور فرمانبرداری کے باب میں انہوں نے تسمیہ اقرار کیا کہ ہم سوائے واحد خدا کے اور کسی کی عبادت نہیں کرینگے ۔

1*۔ تمام قرآن میں صرف یہی سورۃ ایسی خیال کی جاتی ہے جس میں شروع سے آخر تک ایک ہی مضمون ہو۔

چوری زناکاری اور بچہ کشی سے ہمیشہ دست بردار رہینگے ۔ ہر حالت میں بدگوئی واتہام سے پرہیز کرینگے اور کسی نیک کام میں رسول خدا کے نافرمانبردار ہونگے ۔ 1*اس عہد کو عقبیٰ کا عہد اول کہتے ہیں اور چونکہ اس میں آنحضرت کی حمایت ومحافظت کا کوئی وعدہ نہیں پایا جاتا اس لئے اس عہد کو عہد النسا بھی کہتے ہیں کیونکہ عورتوں سے ہمیشہ صرف یہ ہی عہد لیا جاتا تھا۔ اب یہ تمام نومرید نہایت سرگرمی اور جوش سے بھرے ہوئے مدینہ کو واپس گئے اور ان کے ساتھ اس قدر اور لوگ آملے کہ انہیں مکہ سے ایک خاص معلم منگوانا پڑا۔ چنانچہ آنحضرت نے مسعب کو بھیجا اور مدینہ میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہوگئی۔ اس سال میں آنحضرت کو بہت کچھ صبر وانتظار سے کام لینا پڑا اور مکہ میں ہر طرح کی ترقی سے آپ ہاتھ دھو بیٹھے اور بالکل مایوس ہوگئے۔ اب آپ کی تمام تر امیدیں انہیں لوگوں پر تھیں جو ساکنان مدینہ میں سے آپ کے نئے مرید بنے تھے۔ لہذا حضرت محمد نے اب مصمم ارادہ کرلیا کہ قریش کو اپنی حالت میں مطلق العنان چھوڑ کر ان سے بالکل علیحدہ ہوجاوے۔ چنانچہ سورہ انعام کے تیرھویں رکوع میں صاف حکم بھی آگیا اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ لا إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَوَلَوْ شَاء اللّهُ مَا أَشْرَكُواْ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍوَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ یعنی توچل اس پر جو حکم آوے تجھ کو تیرے رب سے کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے اور جانے دے شریک والوں کو اور اگر اللہ چاہتا تو شریک نہ کرتے اور

Muir's Life Of Muhammad*1 جلد دوم صفحہ 216

تجھ کو ہم نے نہیں کیا ان کا نگہبان اور تجھ پر نہیں ان کا حوالہ اور تم لوگ برانہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا کہ وہ براکہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے نہ سمجھ کر۔

اب اگرچہ آنحضرت کو سخت جدوجہد کرنے کی ضرورت نہ تھی تو بھی اب آپ کو کامل یقین تھا اور ذرا بھی شک نہ تھا کہ آخر کار مکہ کے ضدی اور ہٹی لوگ مغلوب ہوجائینگے چنانچہ سورہ ابراہیم کے تیسرے رکوع میں مندرج ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُواْ لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّـكُم مِّنْ أَرْضِنَآ أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي

مِلَّتِنَا فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينوَلَنُسْكِنَنَّـــكُمُ الأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِوَاسْتَفْتَحُواْ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ یعنی اور کہا منکروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دینگے تم کو اپنی زمین سے یا پھر آؤہمارے دین میں۔ تب حکم بھیجا ان کو ان کے رب نے ہم کھپادینگے ان ظالموں کو اور بسا دینگے تم کو اس زمین میں ان کے پیچھے یہ ملتا ہے اس کو جوڈر اکھڑا ہونے سے میرے سامنے اور ڈرا میرے عذاب کے وعدہ سے ۔ اور فیصلہ لگے مانگنے اور نا مراد ہو جو سر کش تھا ضد کرنے والا۔

اس یاس و خستگی کی حالت میں جبکہ حضرت محمد تیرہ سال تک متواتر کوشش کرچکے اور سوائے ناکامیابی وجلاوطنی کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلا تو متخیلہ نے خواب کی صورت میں آنحضرت کے سامنے ایک نقشہ یوں پیش کیا کہ گویا آپ شہر یروشلم کی ہیکل میں ہیں اور وہاں پر آپ نے بزرگوں نبیوں اور فرشتگان کو دیکھا اور پھر عرش معلیٰ پر خدائے تعالیٰ کے حضور میں پہنچے چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کی 1آیت اور 62آیت میں یوں مرقوم ہے سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ یعنی پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو رات ہی رات ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ دکھاویں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے۔ اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو اور وہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہم نے۔

متذکرہ بالا واقعہ سے شاعروں اور راویوں کو آنحضرت کی معراجی دیدوشنید1* کے پرجوش بیان کے باب میں نہایت وسیع میدان سخن مل گیا ہے۔ ان شاعروں اور روایوں نے جو آنحضرت کی حد سے زیادہ تعریفیں کی ہیں ان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ آنحضرت پر سچ مچ دل سے ایمان لائے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ہندوستان میں زمانہ حال کے باہوش اور فہیم علما ان بیانات کو وہمی اور خیالی باتیں سمجھتے ہیں پر متعصب اور پکے مسلمان اس قسم کے خیالات کو بالکل قابل نفرت2* جانتے ہیں۔

1* ان عجائبات کی تشریح کے باب میں کیلی صاحب کی کتاب مسمی بہ محمدو محمدیت کے 304 سے 314 صفحہ تک مطالعہ کیجئے علاوہ اس کے Devteh's Literary Remains کے 99 سے 112 صفحہ تک ملاحظہ کیجئے۔

2* معراج کے متعلق مسلمانوں کو صرف یہ ماننا چاہیئے کہ حضرت محمد نے ایک رویا یا عالم خواب میں یہ دیکھا کہ اس کو مکہ سے یروشلم میں پہنچایا گیا اور وہاں اس نے خدا تعالیٰ کے بہت سے عجائبات دیکھے (سید احمد کا چھٹہ لیکچر اور اس کا 34 صفحہ) پر اہل سنت کہتے ہیں کہ جو کوئی اس بات کو سچ نہیں مانتا کہ حضرت محمد سچ مچ جسمانی طور پر یروشلم میں گئے کافر ہے کیونکہ وہ قرآن کے صاف اور صریح بیان کا منکر ہے۔ جو کوئی آنحضرت کے یروشلم سے آگے آسمان پر جانے اور ان تمام بیانات کو جو احادیث میں مندرج ہیں سچ نہیں جانتا وہ اگرچہ مسلمان کہلا سکتا ہے پر وہ فاسق یعنی گنہگار ہے ۔ علمائے اسلام کی تفاسیر دیکھئے اور سیل صاحب کی کتاب Faith of Islam کا صفحہ نمبر 220 مطالعہ فرمائیے۔

جب پھر دوسرے سال حج کا وقت آیا تو مسعب نے مکہ پہنچ کر اپنی مدینہ کی کامیابی کا مفصل حال آنحضرت سے بیان کیا۔ اس حج کی آخری رات کو حضرت محمد نے اپنے مدنی مریدوں سے ملاقات کی۔ ان میں 73 مرد اور عورتیں تھیں آنحضرت نے ایک تقریر کی اور ان سے یہ درخواست کی کہ آپ کی حمایت وحفاظت کرنے کا عہد کریں۔چنانچہ انہوں نے آنحضرت کی درخواست کے مطابق عہد کیا۔ یہ عہد عقبی کے عہد ثانی کے نام سے نامزد ہوا۔ اب ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں کہ عہدو پیمان کیسا تھا اور اس میں کونسی باتیں شامل تھیں۔ حضرت محمد نے کہا کہ تم اس بات کو قسم کھا کر قبول کرو کہ تم ہر امر میں میری ٹھیک ایسی ہی حمایت وحفاظت کروگے جیسی کہ اپنے زن وفرزند کی کرتے ہو۔ ان میں سے ایک سردار نے کہا کہ بے شک ہم اسی خدا کی قسم کھا کر جس نے تجھے سچ و برحق رسول بھیجا ہے عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنے جسم وجان کے برابر تیری حفاظت کرینگے یا رسول اللہ ہم کو قبول کیجئے خدا کی قسم کھا کرکہتے ہیں کہ ہم جنگی قوم ہیں اور شجاعت وبہادری ہم نے اپنے جنگجو اور بہادر آباؤ اجداد سے میراث میں پائی ہے ۔ پھر ایک اور نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے اور یہودیوں کے درمیان کئی طرح کے تعلقات اور روابط قائم ہیں اور اب ہم کو یہ تمام تعلقات قطع کرنے پڑینگے سو اگر ہم ایسا ہی کریں اور خدا تجھ کو فتح نصیب کرے تو کیا تو ہم کو یہاں اکیلا چھوڑ کر پھر اپنے وطن مالوف (مکہ) کو چلا ئیگا ؟ آنحضرت نے جواب میں فرمایا کہ تمہارا خون میرا خون ہے اور جس قدر تم کو تکلیف ہو گی اسی قدر مجھ کو بھی ہو گی۔ تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ جس سے تمہاری1* دشمنی ہے وہ میرا بھی دشمن ہے اور جس کے ساتھ تمہاری دوستی ہے میں اس کا دوست ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کے دل میں اس وقت امور دینی اور تدابیر ملکی کا امتزاج بہت ترقی پر تھا اور آپ کے دل میں جو مدت سے یہ خواہش تھی کہ اہل عرب کو تدابیر ملکی میں متفق اور یک جان کردے اب پوری

ہوتی ہوئی نظر آنے لگی۔ یہ عہد وپیمان زیادہ تر ملکی انتظام اور امور سیاست سے علاقہ رکھتا تھا۔ اس سے حفاظت اور عقوبت دونوں باتیں حسب موقعہ ملحوظ تھیں اور بنیاد یا اس کی ضروری شرائط یہ تھیں کہ بت پرستی سے دست بردار ہوں اسلام کو قبول کریں اور آنحضرت کی فرمانبرداری ومتابعت کو فرض وواجب سمجھیں ۔پہلے حج پر توآنجناب کے مدنی ہمدردوں نے صرف عورتوں کی سی وفاداری کا عہد کیا تھالیکن دوسرے حج کے وقت جبکہ ان میں اس قدر ترقی ہوگئی اور ان کی تعداد ستر سے بڑھ

1* یہ بیان کیلی صاحب نے اپنی کتاب محمد ومحمدیت کے صفحہ 325میں ابن اسحاق سے اقتباس کیا ہے

گئی تو انہوں نے آپ کی خاطر جنگ وجدل اور ہر طرح کے خطروں کا سامنا کرنے کا عہد کرلیا۔1* یہ عہدو پیمان ظاہری روش کی تبدیلی کا اظہار نہیں ہے بلکہ اس سے اسلام کے ابتدائی اصول کی بتدریج ترقی کا حال معلوم ہوتاہے اور شروع کے ان تمام خاص طریقوں کا پتہ ملتا ہے جو آنحضرت کے ہم وطنوں اور غیر ممالک کے لوگوں سے سلوک کرنے کے لئے درکار تھے ۔مکی سورتوں میں سے سب سے آخری سورہ رعد ہے ۔ اس میں اول سے آخر تک صرف قبیلہ قریش ہی کا بیان ہے اورمکہ میں ان کے ساتھ آنحضرت کی یہ آخری ردو کد ہے ۔ چونکہ اس سورۃ میں آنحضرت کے معجزات سے قاصر رہنے کے اسباب بیان کئے گئے ہیں اس لئے اس کو سورہ معذرت بھی کہتے ہیں۔ جب لوگوں نے آپ سے معجزات طلب کئے توآپ نے ارشاد الہیٰ کے مطابق فرمایا کہ میں صرف ڈرانیوالا ہوں۔ منکرین نے کہا جب تک توخدا کی طرف سے کوئی صریح نشان نہ لاوے ہم تجھ پر ایمان نہیں لاوینگے ۔ اب آنحضرت کو کوئی معجزہ یا نشان عطا نہ ہوا بلکہ یہ فرمان آیا ہے یعنی کہدے اللہ بچلاتا ہے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جورجوع ہوا۔ (سورہ رعد چوتھا رکوع) ۔

اب آنحضرت تیرہ سال بے فائدہ وعظ ونصیحت کرنے کے بعد اہل مکہ کو جنہوں نے آپ کو ہر طرح سے رد کیازجرو توبیخ سنا کر اور ابدی عذاب کی خوشخبری دیکر شہر مکہ سے چل دیئے۔

1* عبید صفحہ 109

اس کے چند روز بعد آپ نے اپنے تمام مقلدین کو حکم دیا اور فرمایا کہ سب مدینہ کی طرف ہجرت کرچلو اس شہر میں خدائے تعالیٰ کو برادری اور جائے پناہ بخشیگا ۔ قریباً دوماہ کے عرصہ میں سب کے سب مکہ سے مفرور ہوگئے لیکن چونکہ اب تک حضرت محمد خودمکہ میں تشریف رکھتے تھے قریش کے لوگ نہایت گھبرا رہے تھے اور ان واقعات کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ دیکھیں آخر کیا ہوتا ہے انہوں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت کے پاس کوئی اپنا وکیل بھیجیں پر حضرت کسی منصوبہ سے خوف زدہ ہوکر چوری اپنے گھر سے نکل گئے اور رات کے وقت ابوبکر کو ساتھ لے کر شہر مکہ کو چھوڑ گئے۔ اور آنحضرت کی مدنی رہائش کے ایام کی ابتدامیں قبیلہ قریش کی مذکورہ بالاسازش کے باب میں جیسا کہ سورہ انفال کے چوتھے رکوع اور 30 آیت میں مندرج ہے آپ کا یاد آتا ہے اور کہتے ہیں وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُواْ لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّهُ وَاللّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ یعنی اور جب وہ فریب بتانے لگے 1* کافر کہ تجھ کو بٹھادیں یامارڈالیں یا نکال دیں۔ اور دے بھی

1* سیل صاحب چند محدثوں کے بیان کے مطابق فرماتے ہیں کہ قریش نے آنحضرت کو قتل کرنے کے لئے سازش کی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ احادیث قرآنی آیت کا مفصل بیان ہیں۔ ویری صاحب نے جو قرآن کی تفسیر لکھی ہے اس کی پہلی جلد کے 84 صفحہ میں مرقوم ہے کہ آنحضرت کے قتل کی سازش جس کاقرآن واحادیث میں صاف ذکر پایا جاتا ہے زمانہ ما بعد کی تمام دشمنی اور حسدوعداوت کی بنیاد اور جڑ ہے ۔ Muir's Lif of Muhammad کی جلد دوم کا بھی 125واں صفحہ ملاحظہ فرمائیے۔

فریب کرتے تھے اور اللہ بھی 1*فریب کرتا تھا اور اللہ کا فریب سب سے بہتر ہے ۔

آنحضرت نے ابوبکر کے ساتھ ایک غار میں پناہ لی اور تین یوم تک یعنی جب تک کفارہ مکہ آپ کی تلاش وجستجو سے دست بردار نہ ہوئے اسی غار میں چھپے رہے کئی سال کے بعد قرآن اس واقعہ کا بیان کرتا ہے کہ کس معجزانہ طور سے خدا نے خود آنحضرت کو بچایا اور محفوظ رکھا۔ چنانچہ سورہ توبہ کے چھٹے رکوع میں مندرج ہے کہ یعنی اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا کافروں نے دو جانوں سے جب دونوں تھے غار میں۔ جب کہنے لگا اپنے رفیق کو توغم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے تسکین اس پر اور مدد کو اس کی بھیج دی فوجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے ۔

ثانی اثنین یعنی دومیں سے دوسرا حضرت ابوبکر کے لئے نہایت عزت کا خطاب 2*۔

1* اس کی تشریح یوں ہے کہ خدا نے قریش کی سازش سے آنحضرت کوآگاہ کردیا۔ قریش کے ہاتھ سے اس کو بچالیا اور قریش کولاکر جنگ بدر میں پھنسادیا (دیکھو تفسیر بیضاوی سے سیل صاحب کا اقتباس)

2* سنی فرقہ کے لوگ جو کہ حضرت ابوبکر کی بہت تعظیم وتکریم کرتے ہیں ان کا قول ہے کہ سورہ احقاف کی 14 آیت وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ یعنی اورہم نے تقید کیا ہے انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا

پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے اور حمل میں رہنا اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچا چالیس برس کو کہنے لگا اے رب میرے میری قسمت میں کر کہ شکر کروں احسان تیرے کا جو تونے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے۔ مفسر حسین بیان کرتاہے کہ حضرت ابوبکر نے 38 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور اس کے والدین نے بھی شرف اسلام حاصل کیا اور چالیس برس کی عمر میں اس نے یہ دعا کہ اے خدا مجھ کو یہ نصیب کرکہ تیرا شکر کروں۔ جس نعمت کے شکر کی توفیق کے لئے حضرت ابوبکر نے دعا کی اس نعمت سے نعمت اسلام (باضافت بیانی) مراد ہے (تفسیر حسینی جلد زدہم صفحہ 321)راڈویل صاحب فرماتے ہیں کہ جب ابوبکر خلیفہ بنا اس وقت اس آیت کا یہ مذکورہ مطلب گھڑلیا گیاہے۔ نولدیکی صاحب کے نزدیک یہ معاملہ شکوک ہے۔

متصور ہونے لگا۔ محمدی احادیث وروایات میں ان تین دنوں 1* کے متعلق بہت سے معجزات مندرج ہیں۔

1* کتاب محمد و محمدیت مصنفہ کیلی صاحب کا 315 سے 321 صفحہ تک مطالعہ فرمائیے۔

غار سے نکل کر آخر الامر آپ مدینہ میں وارد ہوئے اور مومنین کی مکہ سے مدینہ کی طرف جو ہجرت شروع ہوئی تھی اب اس کی تکمیل ہوگئی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں آپ کا درخت سعی کچھ پھل نہ لایا اور آپ کی تمام محنت رائیگاں گئی۔ اہل مکہ نے خیال کیا کہ اگر ہم آنحضرت کی تدابیر تجاویز کو اختیار کرینگے تو اس کا انجام ملکی انتظار اور امور سیاست میں خود سری اور مطلق العنانی ہوگا۔ لہذا انہوں نے آنحضرت کو مجوزہ تدابیر میں سے کسی کو بھی اختیار نہ کیا۔ لیکن برعکس اس کے مدینہ میں آنحضرت کی یاس آس سے مبدل ہوگئی۔ یہودیوں میں مسیح کی انتظاری کے باعث ایک نبی کے برپا کئے جانے کی عموماً امید کی جاتی تھی۔ قومی عداوت اور خاندانی جھگڑوں سے اہل مدینہ تنگ آئے ہوئے تھے اور ان کی یہ بڑی آرزو تھی کہ کوئی شخص جو صاحب قدرت ہو ان کا حکم بنے اور جنگ وجدل کا خاتمہ ہو۔ حضرت محمد جس مرکب طرز اور ملک وملت کے ممزوجہ طریق کی دھن میں لگے رہتے تھے اور ان کی بڑی آرزو تھی کہ دینی امور اور ملکی انتظام کو ایک بنادیں اب اس کے اجراوآغاز کا رستہ کھل گیا۔ مکہ میں آنحضرت کی ناکامیابی بحیثیت نبی تھی اور مدینہ میں آپ کی کامیابی اور اقبالمندی ایک سردار اور فاتح کی حیثیت میں تھی۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ اب تک قرآن میں صرف بت پرستی کی تردید ابطال کے دلائل اور اہل مکہ کی زجرو توبیخ اور سرزنش کے مضامین نازل ہوتے رہے اور ان سے کچھ معقول استدلال نہ ہوا کیونکہ حضرت محمد نے اپنے آپ کو مرسلانہ جاہ وجلال میں ملبس کرکے خدا کی طرف سے اپنے دشمنوں اور مخالفوں کو کوسنا شروع کیا اور یہ فتویٰ سنایا کہ وہ نار جہنم میں ملیں گے۔ مکہ میں قرآن کا مقصد اعلیٰ یہ تھا کہ اوصاف الہیٰ اور صفات ایزدی کا اظہار کرے کہ خدا اقادر مطلق ۔ ہمہ دان وغیب دان اور وحدہ لاشریک ہے۔ عیشِ جنت اور عذاب جہنم کا نہایت صفائی اور صراحت سے بیان کرتا رہا۔ زمانہ سلف کے بزرگوں اور انبیاء کے قصص کو سناتا اور حضرت محمد کے دعویٰ پر صحت کی مہر کرتا رہا۔ اپنے آپ کو کلام الہیٰ کے پیرایہ میں پیش کیا۔ اثباتی احکام تاحال بہت مختصر تھے۔ صرف اوقات نماز اور اکل وشراب 1* کے متعلق چند قوانین وضع کئے گئے۔ طواف کعبہ 2* کے متعلق چند پرانی اور واہیات ونامناسب رسوم سے منع کیا گیا لیکن تاحال اسلامی رسومات تکمیل کو نہیں پہنچیں ۔ اسلام کے اخلاقی اور شرعی قوانین اب تک پختہ طور سے معین ومقرر نہیں ہوئے۔ مدنی سورتوں میں مذہبی مسائل کی نسبت مسلمانوں کو زیادہ تر روزمرہ کی زندگی کی بابت ہدایت کی گئی ہے۔ قرآن بحیثیت مجموعی کسی خاص مطلب یا مقصد کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ وقتاً فوقتاً حسب موقعہ اور حسب الضرورت نازل ہوتا رہا۔ اب مدینہ میں آنحضرت کی وعظ ونصیحت کی فصاحت وبلاغت جاتی رہی اور اس کی جگہ تدابیر ملکی اور سرداری اور سروری کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اب سے لے کر اخلاقی زندگی خانگی مخصوص اور صلح جنگ کے مضامین آنحضرت کا وردزبان تھے اور اگر ان کو قرآن کا قانونی حصہ قرار دیں تو بجا ہے۔ عام نظر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں قرآن کا طرز بیان باستثنائے چند مقامات بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ایام مکہ کے تیسرے حصہ میں تھا اور اعلیٰ انشاء

1* دیکھو سورہ طہ 130آیت وسورہ روم 17آیت وسورہ ہود 115آیت وسورہ انعام 146آیت سے 147 تک وسورہ نحل 119 آیت گمان غالب ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔

2* سورہ اعراف کی 27 سے 33آیت تک ملاحظہ فرمائیے۔

پردازی اور فصاحت وبلاغت سے خالی ہے۔ سورتیں بہت طول وطویل ہیں اور احتمال ہوسکتا ہے کہ وہ ولولہ انگیز چھوٹے چھوٹے مختلف بیانات کا مجموعہ ہوں جو وقتاً فوقتاً وضع کئے گئے اور بعد ازاں ان کو طویل سورتوں میں مرتب کردیا لیکن ان میں کسی طرح کی ظاہری موافقت اور ترتیب نظر نہیں آتی۔

باب دوم

ایامِ مدینہ

اغلباً ماہ جون 622ء میں حضرت محمد ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے اور قریباً ایک سوپچاس مہاجرین آپ کے ساتھ تھے اہل مدینہ اگرچہ آپ کے دعویٰ رسالت پر متفق نہ تھے تاہم انہوں نے آنحضرت کو بخوشی قبول کیا۔ چونکہ ان لوگوں میں خاندانی طرفداری اور قومی عداوت وبعض کی روح بدرجہ غائیت پائی جاتی تھی اسی لئے آنحضرت نے اپنے آپ کو ان سب سے اپنے بیان کے موافق الہیٰ ہدایت پاکر برطرف رکھا اور ان سب سے الگ سکونت اختیار کی۔ نیز آپ نے اس مقام پر ایک مسجد تعمیر کرائی جس سے مدینہ اسلام کا مرکز بن گیا اور پھر اس سے مناسب وقت پر بہت سے ملکی اور معرکہ آرائی کے احکام نافذ ہوئے۔

اس وقت مسلمانوں کی جماعت میں دو قسم کے لوگ شامل تھے۔ اول وہ جو کہ حضرت محمد کے ساتھ مکہ سے ہجرت کرکے آئے اور مہاجرین کہلاتے تھے۔ دوم اہلِ مدینہ میں سے وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کرلیا اور انصار یا مددگار کہلاتے تھے۔

بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ کہ سورہ نحل 1* میں ان مہاجرین کا بیان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ پانچویں رکوع کی 41 آیت میں مرقوم ہے وَالَّذِينَ هَاجَرُواْ فِي اللّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُواْ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُواْ يَعْلَمُونَ یعنی اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے اور بعد اس کے ظلم اٹھایا۔ البتہ ان کو ٹھکانا دینگے ہم دنیا میں اچھا اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا۔

پھر 14 رکوع کی 119 آیت میں مسطور ہے ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُواْ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُواْ مِن بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُواْ إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ یعنی یوں ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر کہ وطن چھوڑا ہے بعد اس کے کہ بچلائے گئے۔ پھر لڑتے رہے اور ٹھہرے رہے۔ تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان۔ چونکہ مدینہ کی آب وہوا نے مہاجرین مکہ کے ساتھ موافقت نہ کی اور وہ شب

1* یہ سورة بہر کیف آخری زمانہ کی مکی سورتوں میں سے ہے۔ اگر یہ حوالہ درست ہے تو ضرور یہ آیات اس میں ہجرت کے بعد ایزاد کی گئی ہیں۔ جو اس میں متفق نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حوالہ ان لوگوں کی طرف ہے جو حبشستان کی طرف چلے گئے تھے۔ مفسر حسین کہتا ہے کہ 43 آیت میں انہیں لوگوں کا ذکر ہے جو حبش کی طرف چلے گئے تھے پر اچھے ٹھکانے سے مدینہ منورہ مراد ہے اور ایک 111 آیت میں جس مہاجرت کا ذکر ہے وہ وہی ہے جو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف تھی چنانچہ لکھا ہے کہ للذین ہاجرو امر آنا نہ کہ ہجرت کروند بسوئے مدینہ۔ اس سورة میں چند اور آیات بھی مثلاً 119، 117، 115 صریحاً ایسی ہیں جو کہ مدینہ میں نازل ہوئیں سورہ انفال کی 73 آیت میں مہاجرین کے ان برادرانہ حقوق کا ذکر پایا جاتا ہے لیکن اب اس قسم کے رشتہ کی کچھ ضرورت نہ تھی چنانچہ 76 آیت ایسے حقوق منسوخ کئے گئے اور بمقابلہ مہاجرین اور انصاریوں کے حقیقی رشتہ داروں کو ترجیح دی گئی۔ اس آیت کے بارہ میں مفسر حسین یوں کہتا ہے کہ ایں آیت ناسخ توارث آن جماعت است کہ بہ سبب ہجرت ونصرت میراث میگیرند۔

وروز اپنے وطن اور زاد بوم کی آب وہوا کے ازبس خواہشمند تھے اس لئے یہ نہایت ضروری معلوم ہوا کہ ان کا انصاریوں یعنی مومنین مدینہ سے زیادہ قرابت اور یگانگت کا رشتہ استوار کرکے ان کو وہاں بودوباش کرنے کی ترغیب وتحریص دلائی جاوے۔ چنانچہ ان میں ایک برادرانہ دعوت یاضیافت قائم کی گئ اور اس برادرانہ یگانگت کے رشتہ میں دونوں طرف سے پچاس پچاس آدمی شامل ہوئے۔ یہ رشتہ یہاں تک استوار تھا کہ اگر ایک فریق کا کوئی آدمی مرجاتا تھا تو دوسرے فریق سے جو شخص اس کا بھائی قرار دیا گیا تھا متوفیٰ کا وارث ہوتا تھا۔ عرصہ ڈیڑھ سال کے لئے یہی دستور رہا لیکن بعد میں جب اس دستور کی ضرورت نہ رہی تو پھر عام اور معمولی دستور توراث پر عمل درآمد ہونا شروع ہوگیا 1*۔

1*۔ ابن اسحاق اور روضتہ الاحباب میں سے جو کچھ کیلی صاحب نے کتاب مسمیٰ محمد اور محمدیت کے صفحہ 325 میں اقتباس کیا ہے اس کا بمعہ مندرجہ بالاحاشیہ کے ملاحظہ کیجئے۔

بعد ازاں مسلمانوں میں ایک عہدوپیمان ہوا جس میں ان کی حفاظت اور انتقام کو ملحوظ رکھا گیا۔ اس عہدوپیمان میں جنگی مقاصد کے لئے یہودیوں کو بھی شامل کیا گیا۔ اس سے غرض عامہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کی حمایت کریں۔ اگرایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرتا تو اس پر قصاص لازم تھا اور سے انتقام لیا جاتا تھا۔ نیز اس سے یہ بھی غرض تھی کہ مصارف جنگ کے وہ خود متحمل ہوں۔ مدینہ کو مقدس اور غیر مسخر قرار دیں اور جو لوگ ان کی زیر حفاظت ہوں ان کے لئے

حقوق حاصل کریں اور ہر طرح کے جھگڑے قضیہ میں نبی کے فیصلہ پر اکتفا کریں۔ یہودیوں کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے اور اس پر قائم رہنے کی اجازت تھی پر وہ حضرت محمد کی اجازت کے بغیر لڑائی میں شریک نہیں ہوسکتے تھے۔اس طرح آنحضرت شروع ہی میں تمام دینی ملکی اور فوجی امور میں حاکم بن بیٹھے اور جہاد ومحاربہ میں یہودیوں سے مدد لیتے رہے ۔ اس عرصہ میں ان کے درمیان صلح وملاپ کو قائم کرنے کے لئے حضرت محمد نے حتی المقدور بہت کوشش کی ۔ جب قبیلہ بنی نجار کا سردار مر گیا تو یہودیوں نے آنحضرت سے درخواست کی کہ ان کے لئے کوئی اس کا جانشین مقرر کرے۔آپ نے فرمایا کہ بلحاظ رشتہ اناث تم میرے چچا ہو۔میں تم ہی میں سے ہوں مجھ کو اپنا سردار جانو۔ عین انہی ایام میں جبکہ آپ کو مدینہ میں اس قدر عروج حاصل تھا یہ مشور آیت نازل ہوئی لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے 1*۔ اس آیت میں خواہ منکرین کے سلوک کی طرف اشارہ ہو خواہ مدینہ کے یہودیوں کی طرف لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ یہ اسی وقت کہا گیا تھا جبکہ آپ نے ابھی اس شہر میں رہائش اختیار کی ہی تھی۔ یہ بات ناممکن ہے کہ یہ آیت جنگ بدر کے بعد سنائی گئی ہو جبکہ اس کی عملی طور پر کامل تنسیخ ہوچکی تھی۔

اس وقت مدینہ میں جو حالت تھی اس کا مورخ ابن اسحاق یوں بیان کرتا ہے کہ جب حضرت محمد نے مدینہ میں امن کی جگہ حاصل کرلی اورمہاجرین نے تقویت کی اور انصاریوں کے

1*۔ اگرچہ سورہ بقرہ 256آیت لکھاہے لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ تاہم ایسا معلوم ہوتاہے کہ یہ آیت صرف ظاہری آزادی کی صورت رکھتی ہے پر فی الحقیقت یوں ہی نہیں ہے ۔ اس سے محض یہودی عیسائی مجوس اور صائبین مراد ہیں اور وہ بھی اس حالت میں کہ مطیع ہوں اور جزیہ ادا کریں۔ اہل عرب کے منکرین کے حق میں یہ آیت آیت قتال سے منسوخ ہو گئی۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی 244آیت میں مرقوم ہے کہ جب تک اسلام کو قبول نہ کریں واجب القتل ہیں۔ مفسر حسین کہتاہے کہ اکراہ نباید کردہ ہیچ کس راز یہود و نصاریٰ ومجوس وصابیان ببرآہ دن اسلام بشرط قبول جزیہ۔ گفتہ اند کہ حکم ایں آیت بآیت قتال۔ قتال منسوخت اور تمام قبائل عرب جزو دین اسلام قبول نبود امادہ دیگراں قتال باید کردتا مسلمان شوند ۔ جلد اول صفحہ 48۔

پھر خلاصتہ التفاسیر میں یوں مندرج ہے کہ جہاد وقتال اس لئے نہیں ہے کہ خواہ لوگ مسلمان بنائیں جائیں بلکہ اسلام نہ لائیں تو مطیع نہیں۔

پھر یوں لکھاہے کہ کافر اسیر یا مرتد کا قتل کرنا بطور سزا دہی کہ ہے (دیکھو جلد اول صفحہ 202)۔ ایک طرح سے ایسا معلوم ہوتاہے کہ یہ آیت دینی آزادی کی تعلیم دیتی ہے یا آزادانہ طور پر اپنے خیالات کو بیان کرنیکی اجازت دیتی ہے لیکن اس کا حاصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ چند قومیں جزیہ ادا کرنے اور ملکی مذہب کی مجوزہ شرائط کے لگاہ رکھنے سے قتل کی سزا سے مخلصی حاصل کرسکیں۔

معاملات کا بخوبی انفصال ہوگیا تو اسلام کی نہایت استحکام کے ساتھ بنیاد پڑگئی۔ صوم وصلواۃ کو علانیہ ادا کرنے لگے۔ غربا کے لئے خیرات کے انتظام کئے گئے ۔ مجرموں کو سزائیں ملنے لگیں۔ حرام وحلال کا فیصلہ ہوگیا اور اسلام نے خصوصاً انصاریوں میں بہت زور پکڑا۔ فی الحقیقت اس وقت مدینہ میں اسلامی طاقت کو سب پر فوق حاصل تھا۔ تمام مسلمان ہر امر میں مطیع ومنقاد تھے اور جو لوگ تاحال اس سے برطرف وبرکنار تھے اب ان پر بھی بہت کچھ اثر ہونے لگا۔

اس مقام پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا وہ سب کے سب سچے اور حقیقی ایماندار نہ تھے۔ ظاہراً تو قدیمی حقدو حسد کو سب فراموش کر بیٹھے تھے پر دراصل یہ معاملہ یوں نہ تھا۔ بہت سے نامی مسلمان پرانی عداوتوں کی یادگار سے اثر پذیر تھے ۔ اگرچہ کسی طرح کی صوری مخالفت نظر نہ آتی تھی تو بھی ان کے درمیان طرح طرح کے شکوک اور ہزار ہا قسم کی بدگمانیاں تھیں۔ ابن اسحاق انکا یوں بیان کرتا ہے کہ وہ اپنے باپ داداوں کی بت پرستی سے کچھ دور نہ تھے اور دین اسلام کے وہ دل سے مطلق قائل نہ تھے پر چونکہ زیادہ تر لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اسلئے وہ غلبہ اسلام سے مغلوب ہو کر اسلامی جماعت میں شامل ہوگئے تھے ۔ انہوں نے دینِ اسلام محض اپنے بچاؤ کی ایک سبیل سمجھا تھا لیکن دلوں میں وہ لوگ اخلاص سے کوسوں دور اور آنحضرت کی تردید میں یہودویں کے معاون ومددگار تھے۔ اس طرح شروع میں زبردستی ہوتی تھی اور لوگ اسلام قبول کرنیکو موت سے بچنے کا ایک ذریعہ سمجھے تھے ۔ ایسے لوگ منافقین یار یا کار کہلاتے تھے اور ایک عرصہ تک حتی الامکان مخالفت کرتے رہے ۔

پھر چند سال بعد حضرت محمد کی طاقت بڑھ گئی اس وقت آپ نے علانیہ ان کی تردید وتوہین شروع کردی۔ سورہ منافقون میں جس کا نازل ہونا 6ہجری میں بیان کیا جاتاہے اس کی آیت 1،2 اور 7،8 ان کے حق میں حضرت محمد کا آخری فتویٰ یوں مندرج ہے ۔ إِذَا جَاءكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَاتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاء مَا كَانُوا يَعْمَلُونَهُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَى مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنفَضُّوا وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُون يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا

يَعْلَمُونَ ترجمہ : جب آویں تیرے پاس منافق ۔ کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہی اللہ کا اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے ۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے رکھی ہیں اپنی قسمیں ڈھال بنا کر ۔ پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ۔ یہ لوگ جو کرتے ہیں برے کام ہیں۔ وہی ہیں جو کہتے ہیں اللہ مت خرچ کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے ۔ جب تک کھنڈ جاویں۔ اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے لیکن منافق نہیں بوجھتے ۔کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دیگا جس کا زور ہے وہاں سے بے قدر لوگوں کو۔ او ر زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور مومنین کا لیکن منافق نہیں سمجھتے ۔

مدینہ یہودی لوگوں کی ایک بڑی بھاری اور سر کردہ جماعت تھی اور ابتدا میں حضرت محمد کی ان پر بڑی امیدیں تھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ الہام ووحی کے باب میں بہت کچھ واقفیت رکھتے تھے۔ حضرت محمد نے بیان کیا ہے کہ اسلام یہودی اور مسیحی دین کے سب اپنی اصلیت میں ایک ہی اصل یعنی کتب سماوی پر مبنی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتاہے کہ آنحضرت کو یہ امید تھی کہ یہودی لوگ اسلام کو من جانب اللہ قبول و تسلیم کرینگے اور کم ز کم آنحضرت کو اہل عرب کے لئے رسول من اللہ مان لینگے۔ جیسا اوپر ذکر ہوچکا ہے آپ نے ان کے لئے بعض حقوق قائم رکھے اور ان کے ساتھ آپ کا ایسا سلوک تھا جیسا ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جنس سے باہمی عہدو پیمان ہو۔ علاوہ ازیں دینی امور میں آپ نے یہودیوں کو بہت سی باتوں میں آزاد اورمطلق العنان چھوڑا ہوا تھا۔ نولدیکی صاحب1* فرماتے ہیں سورہ عنکبوت کے پانچویں رکوع اور اس کی آیت 46 میں جو کہ مکی سورتوں میں آخری زمانہ کی خیال کی جاتی ہے اسی وقت کا ذکر پایا جاتاہے کیونکہ اس میں یوں مرقوم ہے کہ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ 2* ترجمہ اور جھگڑا نہ کرو کتاب

1*۔ دیکھو نولدیکی صاحب کا گشنختی دس قرآن صفحہ 116۔

2* اس آیت سے کہ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ مفسیرین اسلام بہت گھبراہٹ میں ہیں حسین بیان کرتا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے ساتھ حضرت محمد نے عہدو پیمان کیا تھا یعنی وہ لوگ جو کہ اسلام سے معاہدہ رکھتے تھے اور جزیہ دیتے تھے یعنی ضمی تھے چنانچہ حسین کے یہ الفاظ ہیں کہ یااہل لکتب یعنی کسانیکہ در عہد شما اند یا جزیہ قبول کردہ اند۔ بعض عربی مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ اہل کتاب سے نرمی کی جاوے بلکہ ان سے خائف ہو کر ایسا فرمایا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے یعنی اہل کتاب (یہودی) عبرانی زبان میں توریت کو پڑھتے ہیں اور اہل اسلام کے لئے عربی زبان میں اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ پس پیغمبر نے فرمایا کہ اہل کتاب کو جھوٹا یا سچا کچھ نہ کہو اور صرف یہ کہو کہ ہم ایمان لاتے ہیں ساتھ اللہ کے اور ساتھ اس چیز کے جس کو اس نے نازل فرمایا۔

پھر یوں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی جو نہی کہ مردہ کے پاس سے گذرا اس نے حضرت محمد سے کہا کہ اے محمد کیا یہ مردہ بولتا ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ اہل کتاب سے نہ موافقت رکھو اور نہ مخالفت بلکہ یوں کہ ہم ایمان لاتے ہیں ساتھ اللہ کے اور اس کے فرشتوں اور اس کے کلام اور اس کے رسولوں کے اگر ان کا کہنا جھوٹ ہے تو تم اس کو مت مانو اور اگر سچ ہے تو تم نہ جھٹلاؤ اور ایسی جگہ اختیار کرو جو انکی موافقت اور مخالفت دونوں سے الگ رکھے ۔ دیکھئے گایئگر کی کتاب یہودیت اور اسلام کا صفحہ 15 اور 16۔

بعض کہتے ہیں کہ سورہ توبہ کی پانچویں آیت سے اس کی تنسیخ ہو گئی ہے اور سورہ توبہ سوائے ایک کے قرآن کی ساری سورتوں سے آخر کی ہے اور یہ اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ یہودیوں کی مخالفت حد سے گذر گئی تھی ۔چنانچہ سورہ توبہ کی اس پانچویں آیت میں لکھا ہے فاقتلو المشرکین حیث وجد تموھمہ یعنی قتل کرو مشرکوں کو جہاں کہیں تم انہیں پاؤ۔ اس آیت کو آیت السیف کہتے ہیں لیکن اس امر کا تحقیق معلوم کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ جبکہ اس سے بر پرستوں یا مسیحیوں کی طرف جو مشرک خیال کئے جاتے تھے اشارہ ہے تو کیونکر ہوسکتا ہے کہ اس سے خاص کر وہ آیت منسوخ ہو جو یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی تھی۔

والوں سے مگر اس طرح پر جو بہتر ہو۔مگر جو ان میں بے انصاف ہیں۔ یہ بات یوں ہی ہو یا نہ ہو پر اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس وقت حضرت محمد اہل یہود سے دوستی پیدا کرنے کے لئے بہت ہی فکر مند تھے اور کئی طرح سے آپ نے ان کو اپنا طرفدار اور حامی بنانے کی کوشش کی ۔ چنانچہ جس طرح یہودی لوگ یروشلم کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے آپ نے بھی انہیں کی طرح یروشلم کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنی شروع کردی۔ عید کفارہ پر جو کہ مہینے کی دسویں تاریخ کو ہوتی تھی یہودی لوگ روز رکھتے تھے اور قربانیاں گذرانتے تھے ۔ حضرت محمد نے بھی اپنے پیرووں کو حکم دیا کہ وہ بھی ایسا ہی کیا کریں۔ اس طرح آنحضرت نے بہت سے یہودیوں کے لئے اسلام میں داخل ہونا آسان کردیا۔ ان اشخاص سے آنجناب کو بہت فائدہ پہنچا اور ان سے آپ نے سلف کی کتب سماوی کی نسبت بہت کچھ سیکھا حتی کہ یقین کرنے لگے کہ ان کتابوں میں آپ کی آمدو تشریف آوری کی نسبت پیشین گوئیاں مندرج ہیں۔ بارہا ان لوگوں کا حوالہ دیا گیا ہے اور ان کو آپ اپنی رسالت کے گواہوں کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ پر باوجود اس کے اکثر یہودیوں نے آپ کو بمعہ آپ کے دعاوی کے قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ جس نبی کے وہ انتظار میں تھے وہ داؤد کی نسل سے آنے والا تھا۔ لہذا وہ آپ کے سخت مخالف ہوگئے اور آپ کے دعووں کے مطلق شنوا نہ ہوئے کیونکہ ان کی کتاب کے مطابق آپ کے حق میں ان کا یہی فیصلہ ہوسکتا تھا تاہم یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ جوں جوں اسلام ترقی کرتا

جاویگا دوسرے ادیان ومذاہب کا تنزل لابدی ہوگا۔ اہل عرب میں بہت سے بت پرست مدینہ سے بھاگ گئے اور ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ " اس حالت میں کئی یہودی معلم اور ربی حضرت محمد کے سخت دشمن ہوگئے۔ چونکہ خدا نے اہل عرب میں سے اپنے لئے ایک رسول چنا اس لئے وہ حسد سے بھر گئے پھر بھی بعض یہودیوں نے خائف ہو کر حضرت محمد اور اس کے نئے دین کو قبول کرلیا۔

مورخین اسلام لکھتے ہیں کہ یہ محض ظاہری طور پر پناہ لینے کے لئے مسلمان ہوئے تھے پر درحقیقت انہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا تھا بلکہ ریاکار اور منافق تھے ۔ اسی طرح نہ صرف ان لوگوں میں سے جو اہل عرب سے مسلمان ہوئے تھے بلکہ ان میں بھی جنہوں نے اہل یہود سے اسلام قبول کیا تھا منافق تھے۔یہودیوں کی دشمنی اور مخالفت آنحضرت کے حق میں ایسی ہی مضر اور خطرناک تھی جیسی بت پرستوں کی ۔ کیونکہ مقدم الذکر یعنی اہل یہود آپ کو صرف لڑائی اور ملکی معاملات میں ہی نقصان نہیں پہنچاتے تھے بلکہ انہوں نے اسلام کی سخت نکتہ چینی اور طعن و تشنیع کے جاندوز تیروں سے بھی حضرت کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔1*

سورہ انعام زمانہ اخیر کی مکی سورتوں میں سے ہے پر صاف معلوم ہوتا ہے کہ 91آیت ضرور بالضرور مدینہ میں اضافہ کی گئی ہے ۔ چنانچہ اس آیت میں یوں مسطور ہے قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاء بِهِ مُوسَى نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا وَعُلِّمْتُم مَّا لَمْ تَعْلَمُواْ أَنتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ قُلِ اللّهُ یعنی پوچھ تو کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لایا روشنی اور ہدایت لوگوں کے واسطے ۔ جس کو تم نے ورق ورق کرکے دکھایا۔ اور بہت کچھ رکھا۔ اور تم کو اس میں سکھایا جو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادا کہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑدے ان کو اپنی بھک میں کھیل کریں

1* دیکھو نولدیکی صاحب کُشتی دس قرآن صفحہ 125۔

اس مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد نے ان کے کاغذوں پر لکھنے کے باعث ان پر توریت کی تحریف کا الزام نہیں لگایا بلکہ ان پر آنحضرت نے جو الزام لگایا وہ یہ تھا کہ وہ توریت کے بعض حصص کو اس غرض سے چھپا رکھتے تھے کہ کسی طرح آپ کے دعویٰ1* کے تحت میں نہ آویں۔ پھر سورہ بقرہ جو کہ 2ھجری میں 2* میں مدینہ میں نازل ہوئی تھی یہودیوں کے برخلاف کئی مرتبہ وحی نازل ہوئی ۔ اگرچہ اس امر کی نسبت طول طویل تشریح کی گنجائش نہیں تاہم سورہ بقرہ اور بعض اور سورتوں کے چند مقامات سے مختصر حوالہ جات پیش کرنے سے یہ معاملہ صاف ہوجائیگا۔

چنانچہ سورہ بقرہ کے پانچویں رکوع کی آیت 40تا42میں یوں مرقوم ہے يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُواْ نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُواْ بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِوَآمِنُواْ بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَكُمْ وَلاَ تَكُونُواْ أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلاَ تَشْتَرُواْ بِآيَاتِي ثَمَناً قَلِيلاً وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِوَلاَ تَلْبِسُواْ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُواْ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ یعنی اے بنی اسرائیل یاد کرو میرا احسان جو میں نے کیا تم پر اور پورا کرو قرار میرا تو میں پورا کروں قرار تمہارا اور میرا ہی ڈر رکھو۔ اور مانو جو کچھ میں نے اتارا سچ بتاتا تمہارے پاس والے کو۔ اور مت ہو تم پہلے منکر اس کے اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور مجھ ہی بچتے رہو اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور یہ کہ چھپاؤ سچ کو جان کر۔

1* راڈویل صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت محمد نے یہود و نصاریٰ پر پاک نوشتوں کی تحریف کا الزام نہیں لگایا بلکہ اس نے یوں کہا کہ یہ لوگ کلام اللہ کی تفسیریں غلط کرتے ہیں تاکہ مجھ کو جھٹلاویں اور میرے دعویٰ کو قبول نہ کریں۔ حضرت محمد کے تمام اقوال اور فتوے جو کہ یہود و نصاریٰ اور ان کی کتابوں کے حق میں ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک اس کو ان کی نسبت علم تھا وہ انکو صحیح اور درست قرار دیتا ہے ۔دیکھو راڈویل صاحب کا قرآن 434۔

2* اس سورۃ کے بہت سے حصے مکی ہیں اور خصوصاً نفس مضمون سے پتہ لگتا ہے کہ 19آیت سے لے کر 37آیت تک ایام مکہ سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ 19 آیت میں الفاظ یا یھا الناس یعنی اے لوگو پائے جاتے ہیں اور اہل مدینہ کے حق میں آپ ان الفاظ کو استعمال نہیں کیا کرتے تھے بلکہ یا یھا الذین امنوا یعنی اے ایمان لانے والو کھکر پکارا کرتے تھے۔

سورہ بقرہ میں خدا تعالیٰ کے ان احسانات کا بیان جو اس نے بنی اسرائیل پر موسیٰ کی معرفت اور بیابان میں کئے نہایت طوالت کے ساتھ مندرج ہے چنانچہ 59آیت میں جس پر اکثر بہت کچھ مناظرہ ومباحثہ ہوتا ہے یوں لکھا ہے کہ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَالَّذِينَ هَادُواْ وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ یعنی یوں ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہود ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین1* جو کوئی یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور کام کیا نیک تو ان کو ہے ان کی مزدوری اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غم کھاویں۔

1* صابئین کی نسبت مفسیرین کا عموماً یہ خیال ہے کہ یہ ایک ایسی جماعت تھی جس کے مذہب میں یہودیت اور مسیحیت دونوں مذہبوں کی باتیں ملی ہوئی تھیں۔ وہ ایک واحد خدا کی پرستش کرتے تھے (اگرچہ بعض کی رائے اس امر میں اتفاق نہیں کرتی) زبوروں کی تلاوت کرتے اور مکہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرتے تھے اور فرشتوں کو بھی پوجتے تھے۔ اس ساری آیت کا اصل مطلب

اور لب لباب یوں بیان کیا جاتاہے کہ کوئی مسلمان یا کتابی یا غیر کتابی جب ایمان لائے اچھے کام کئے اسے خوف نہیں۔ دیکھو خلاصتہ التفاسیر جلد اول صفحہ 40۔ راڈویل صاحب کے قرآن صفحہ 437 میں یوں مندرج ہے کہ صائبین سے وہ مسیحی مراد ہیں جو یحیٰی کے شاگرد تھے ۔ صائیبن کے حالات مفصل طور پر دریافت کرنے کے لئے ایس ۔لین پول کی کتاب المطالعہ فی المسجد کو 252 سے 288 صفحہ تک مطالعہ فرمائے۔

علمائے اسلام کہتے ہیں کہ اس آیت نے ان دینوں کو منسوخ کردیا جو گذر گئے یا پیدا کئے جائیں ۔ خلاصتہ التفاسیر جلد اول کے صفحہ 271 کو ملاحظہ کیجئے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام مذاہب یکساں ہیں اور عوام الناس کا خیال یہ نہیں ہے کیونکہ بعض مفسرین کے نزدیک من امن با اللہ والیوم الاخرو عمل صالحاً کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا وہ اپنی ناراستی سے باز آویں اور اسلام کو قبول کریں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سورہ آل عمران کی 79آیت سے یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے ۔ چنانچہ اس آیت میں یوں مرقوم ہے کہ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ یعنی اور جو کوئی چاہے سوائے اسلام کی حکم برداری کے اور دین سو اس سے ہر گز قبوہ نہ ہوگا۔ اور وہ آخرت میں خراب ہے۔

جو یہودی مسلمان ہوگئے تھے ان میں سے بعض کی ریاکاری اور نفاق کا بیان سورہ بقرہ کی 71آیت سے 75تک یوں مندرج ہےوَإِذَا لَقُواْ الَّذِينَ آمَنُواْ قَالُواْ آمَنَّا وَإِذَا خَلاَ بَعْضُهُمْ إِلَىَ بَعْضٍ قَالُواْ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ أَفَلاَ تَعْقِلُونأَوَلاَ يَعْلَمُونَ أَنَّ اللّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونوَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لاَ يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلاَّ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَظُنُّونوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَـذَا مِنْ عِندِ اللّهِ لِيَشْتَرُواْ بِهِ ثَمَناً قَلِيلاً فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونوَقَالُواْ لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلاَّ أَيَّاماً مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونبَلَى مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيـئَتُهُ فَأُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونوَالَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ أُولَـئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ یعنی اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے ۔ اور جب اکیلے ہوتے ہیں ایک دوسرے پاس کہتے ہیں کہ تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو کھولا ہے اللہ نے تم پر کہ جھٹلاویں تم کو اسی سے تمہارے رب کے آگے کیا تم کو عقل نہیں ؟ کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو چھپاتے ہیں اور جو کھولتے ہیں ؟ اور ایک دن ان میں ان پڑھ ہیں۔ نہیں خبر رکھتے کتاب1* کی مگر باندھ لی اپنی آرزئیں اور ان پاس نہیں مگر اپنے خیال۔ سو خرابی ہے ان کی جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے کہ مول لیویں اس پر مول تھوڑا۔ سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھ کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی کمائی سے ۔اور کہتے ہیں کہ ہم کو آگ نہ لگیگی مگر کئی دن گنتی کے۔ توکہہ کیا لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار۔ توالبتہ خلاف نہ کریگا اللہ اپنا قرار۔ یا جوڑتے ہو اللہ

1* توریت شریف

اپنا پر جو معلوم نہیں رکھتے۔ کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں لوگ دوزخ کے وہ اسی میں رہ پڑے۔

جو لوگ اس بات پر جمے اور کہتے ہیں کہ پاک نوشتوں میں حضرت محمد کے حق میں کچھ بھی درج نہیں ہے ان کے حق میں آپ نے اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر یوں فرمایا کہ یعنی کیا مانتے ہو تھوڑی کتاب اور منکر ہوتے ہو تھوڑی سے پھر کچھ سزا نہیں اس کی جو کوئی تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں۔

جب انہوں نے قرآن کو من جانب اللہ قبول نہ کیا تو ان کی ضد سے تنگ آکر آپ نے سورہ بقرہ کے 11 رکوع میں یوں عتاب فرمایا کہ بِئْسَمَا اشْتَرَوْاْ بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُواْ بِمَا أنَزَلَ اللّهُ بَغْياً أَن يُنَزِّلُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَى مَن يَشَاء مِنْ عِبَادِهِ فَبَآؤُواْ بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ یعنی برے مول خرید کیا اپنی جان کو کہ منکر ہوئے اللہ کے اتارے کلام سے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے سو کما لائے غصہ پر غصہ 1*

پھر سورہ بقر کے 16 رکوع کی آیت 137میں اس وعدہ کا ذکر ہی جو خدا نے محمد سے روگردان ہونے والوں کی مخالفت کے مقابلہ میں آپ کی حفاظت کے بارہ میں کیا تھا چنانچہ لکھا ہے کہ فَإِنْ آمَنُواْ بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَواْ وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ یعنی پس اگر وہ بھی یقین لاویں جس طرح تم یقین لائے راہ پاویں اور اگر پھر جاویں تو وہی ہیں ضد پر۔ سو اب کفایت ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سنتا جانتا۔ پھر اسی رکوع 140آیت میں ان پر یہی الزام لگایا گیا ہے کہ پاک نوشتوں میں آنحضرت کی آمد کی نسبت جو کچھ درج تھا اس کو انہوں نے درج نہیں کیا بلکہ اس کو پوشیدہ رکھتے تھے چنانچہ لکھا ہے کہ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ

شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ اللّهِ یعنی اور اس سے ظالم کون جس نے چھپائی گواہی جو تھی اس پاس اللہ کی ۔ پھر سورۃ البینہ جس کو ترتیب کے لحاظ سے سورہ بقرہ کے بعد کی سمجھنا چاہئے اس کی پہلی تین آیات میں یوں مذکور ہے لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُرَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةًفِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌوَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءتْهُمُ الْبَيِّنَةُ یعنی نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں کتاب والے اور شریک والے باز آتے جب تک کہ پہنچی ان کو

1* عغضب علی عغضب کے بیان میں مفسر مجاہد کا قول ہے کہ پہلا عغضب ان پر ہے جنہوں نے توریت شریف کو رد کیا اور دوسرا عغضب ان پر جو حضرت محمد کی رسالت پر ایمان نہ لائے خلاصتہ التفاسیر جلد اول کا صفحہ نمبر 51 مطالعہ کیجئے۔
مفسرین حسین فرماتے ہیں کہ اول عغضب ان پر ہے جنہوں نے مسیح اور انا جیل کو قبول نہیں کیا اور دوسر ان پر جو حضرت محمد اور قرآن کو من جانب اللہ جان کر ایمان نہ لائے۔ تفسیر حسینی جلد اول کا صفحہ نمبر 16 ملاحظہ کیئجے۔

کھلی بات ایک رسول کا پڑھنا ورق پاک اس میں لکھیں کتابیں مضبوط اور پھوٹے وہ جن کو ملی ہے کتاب سو جب آپکی ان کو کھلی بات 1*

پھر سورہ آل عمران کے 8 رکوع میں اسی خیال کے مطابق الزام لگایا گیا ہے چنانچہ یوں مرقوم ہے وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ یعنی اور ان میں سے ایک لوگ ہیں کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب کہ تم جانو وہ کتاب میں ہے اور وہ نہیں کتاب میں اور کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہے ۔ اور وہ نہیں اللہ کا کہا اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جانکر۔

پھر سب سے آخری سورۃ یعنی سورۃ المائدہ کے تیسرے رکوع میں یوں مسطور ہے یعنی

1* اکثر مفسرین اس کا یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ لوگ حضرت محمد کی تشریف آوری سے پہلے ایک نبی کی آمد کے منتظر تھے کہ جب وہ آوے تو اسکی تقلید وپیروی کریں جب آنحضرت آئے تو بعضوں نے مان لیا اور بعض منکر ہوگئے ۔ چنانچہ تفسیر جلالی اور حسینی میں یوں لکھا کہ پیش از بعثت آنحضرت ہمہ مجمع بوو ند بر تصدیق دے وبعد ازانکہ مبعوث شد مختلف شد ند بعضے گروید ند بوے وبرخے کافر شد ند۔

ہیں کلام کو اپنے ٹھکانے سے اور بھول گئے ایک فائدہ لینا اس نصحیت سے جو ان کو کی تھی۔ نیز مرقوم ہے 1* يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ قَدْ جَاءكُم مِّنَ اللّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌيَهْدِي بِهِ اللّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلاَمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنِ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ یعنی اے کتاب والو آیا ہے تم پاس رسول ہمارا ۔ کھولتا ہے تم پر بہت چیزیں جو تم چھپاتے تھے کتاب کی اور در گذر کرتا ہے بہت چیزوں سے تم پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب بیان کرتی جس سے اللہ راہ پر لاتا ہے جو کوئی تابع ہو اس کی رضا کا بچاؤ کی راہ پر اور ان کو نکالتا ہے اندھیرے سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ۔

ان مذکورہ بالا آیات میں یہود نصاریٰ پر جس قدر الزامات لگائے گئے ہیں ان سے ہر گز ہر گز یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہود ونصاریٰ نے پاک نوشتوں میں تحریف وتبدلات کئے بلکہ ان پر صرف یہی الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے توریت وانجیل کی بہت سی باتوں کو جنہیں حضرت محمد اپنی بشارت کی دلیل گردانتے تھے پوشیدہ رکھا اور ظاہر نہیں کیا۔ اس میں بھی محض اس کی امر طرف اشارہ تھا کہ توریت وانجیل میں جو کچھ حضرت محمد کے حق میں مندرج تھا اس کو انہوں نے پوشیدہ رکھا۔

1* اس جگہ یہ الزام لگایا گیا ہے کہ یہودی توریت شریف کے ان حصص اور آیات کو پوشیدہ رکھتے تھے جنہیں حضرت محمد کی تعریف مندرج تھی اور نصاریٰ اس پیشنگوئیاں کو چھپاتے تھے جو مسیح نے اپنے بعد ایک پیغمبر یعنی آنحضرت کے من جانب اللہ آنے کی نسبت کی تھی۔ مما کنتمہ تکمنون کے معنی وہی ہیں جو کہ یہود ونصاریٰ کے تعلق میں بیان کئے گئے ہیں چنانچہ تفسیر حسینی جلد اول صفحہ نمبر 140 میں یوں مرقوم ہے کہ ازانچہ ہستید کہ آنرا پنہاں میداریدمن الکتب چوں نعمت محمد مصطفیٰ وآیت رجم وازنجیل چون بشارتِ عیسیٰ بہ احمد۔

اس امر کا ہر گز ہر گز کوئی ثبوت بیان نہیں کیا گیا کہ توریت وانجیل کی تحریف ہوگئی اور اب وہ حقیقی اور قابل عمل نہیں ہے بلکہ نہایت صفائی اور صراحت سے اس امر کا بیان اس کے برخلاف اور توریت وانجیل کی صحت درستی پر دال ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں مرقوم ہے کہ ترجمہ نازل کیا ہم نے توریت کو اور اس میں ہدایت اور نور ہے ۔ اور نیز یہ کہ اے کتاب والو تم کچھ راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل اور جو کچھ تم کو اترا 1* تمہارے رب سے ۔

1* قرآن ۔2* مفسر حسین نے لفظ مہیمنا گا ترجمہ نگہبان کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ مھیما علیہ نگاہبا نست بر کتب کہ محافظت میکند از تضیر ۔ دیکھو تفسیر حسینی جلد اول صفحہ نمبر 148 اس آیت میں قرآن کی فضیلت تمام کتب آسمانی پر ثابت ہے اس لئے کہ اسے محافظ امین۔ شاہد امانتدار سب کتابوں کا قرار دیا پس قرآن جامع وشامل ہے اور ہدایت میں کامل ۔ خلاصتہ التفاسیر جلد اول کا صفحہ نمبر 529 ملاحظہ فرمائیے۔

اب مذکورہ بالاآیات سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت وانجیل پر بھی قرآن کی طرح ایمان لانا اور عمل کرنا ضروری ہے ۔ اگر توریت وانجیل کی تحریف وتنسیخ ہوجاتی تو قرآن ہر گز ہر گز ان کو صحیح اور قابل قبول بیان نہ کرتا ۔ درحقیقت ان کتب مقدسہ کی صحت ودرستی اور حفاظت من اللہ کی گواہی حضرت محمد خود قرآن سے سورہ مائدہ کے 7 رکوع میں یوں پیش کرتے ہیں وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ یعنی اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب تحقیق سچا کرتی اگلی کتابوں کو اور سب پر شامل۔

پس اب صاف ظاہر ہے کہ توریت وانجیل کی حضرت محمد سے پہلے تحریف نہیں ہوئی کیونکہ قرآن ان کی تائید کرتا ہے اور اگر ازروئے اسلام بھی بہ نظر تعمق دیکھا جاوے تو جب قرآن توریت وانجیل کی حفاظت ونگہبانی کا دعویٰ کرتا ہے توان میں کسی طرح کی تحریف وتخریب کا وقوع میں آنا ہر گز ہر گز ثابت نہیں ہوتا بلکہ ناممکن ہے ۔ جو حامیان اسلام اس معاملہ میں تلخ گوئی اور لایعینی لن ترانیوں پر اتر پڑتے ہیں وہ ایک طرح سے صاف اقرار کرتے ہیں کہ وہ قرآن سے بالکل ناواقف ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ قرآن کی ازحد بے عزتی اور توہین کا باعث ہوتے ہیں۔ کیونکہ قرآن توریت وانجیل کی محافظت کا ذمہ وار ہوتا ہے اور یہ ان کی تحریف وتخریب پر زور دیتے ہیں یایوں کہیں کہ قرآن کی محافظت اور تکذیب کرتے ہیں۔

لہذا اگر کتب مقدسہ تحریف ہوگئیں ہیں تو قرآن اپنے فرض کے ادائے کرنے سے قاصر رہا۔ یایوں کہیں کہ قرآن نے جو کچھ توریت وانجیل کی حفاظت ونگہبانی کا دعویٰ کیا وہ محض دعویٰ ہے دعویٰ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت محمد کو کتب مقدسہ کی صحت ودرستی کے باب میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ تھا۔ لیکن جب آنحضرت نے دیکھا کہ اب یہودیوں سے کچھ غرض ومطلب نہیں ہے تومناسب جانا کہ ان کو غیر معتبر قرار دے ۔ یہ امر نہایت قابل توجہ اور غور کے لائق ہے کہ بائبل شریف کی تحریف وتخریب کے باب میں جس قدر آیات قرآن میں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔

جب یہودیوں کو اس طرح زجرو توبیخ کی گئی اور ان کو اپنے مطالب ومقاصد کے لئے غیر ضروری سمجھ کر رد کردیا تو پھر آنحضرت کو ان کی مطابقت وموافقت کی کچھ ضرورت نہ معلوم ہوئی چنانچہ آپ نے یروشلم کی جگہ پھر مکہ کو قبلہ قرار دیا اور اس تبدیلی کے باب میں حسب معمول وحی 1* آسمانی کو پیش کیا۔

اس متذکرہ بالا تبدیلی کی بابت سورہ بقرہ میں بہت سی آیات نازل ہوئیں اور ان میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ کعبہ اور حضرت ابراہیم کا دین جن کو اسلام ازسر نوزندہ کرنے کا دعویدار ہے یہودی دین اور یہودیوں کے قبلہ سے بہت بہتر ہے ۔ نصاریٰ کی طرف بھی ان الفاظ میں کہ ہم نے لیا رنگ 2* اللہ کا اشارہ کیا گیا ہے اور اس سے یہ مراد ہے کہ طرف اسلام قبول کرنے سے انسان کو حقیقی نئی پیدائش ہوتی ہے ۔چنانچہ قبلہ کی تبدیلی کے متعلق مفصل طور پر دوسرے سیپارہ کے پہلے رکوع میں یوں لکھا ہے وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلاَّ لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلاَّ عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّهُ وَمَا كَانَ اللّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّهَ بِالنَّاسِ

1* پہلے جب حضرت محمد نے مکہ کی جگہ یروشلم کو قبلہ مقرر کیا تھا اس تبدیلی کا ذکر قرآن میں نہیں پایا جاتا پر اکثر خیال کیا جاتا ہے کہ سورہ بقرہ میں دوسرے سیپارہ کی پہلی آیت میں اسی باب میں یوں لکھا ہے کہ سَيَقُولُ السُّفَهَاء مِنَ النَّاسِ مَا وَلاَّهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُواْ عَلَيْهَا یعنی اب کہینگے بے وقوف لوگ کاہے پھر گئے مسلمان لوگ اپنے قبلہ سے جس پر تھے؟ اور اس پر مفسر جلال الدین فرماتے ہیں کہ جب حضرت محمد نے ہجرت کی تو اپنے تمام مومنین کو حکم دیا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کریں پر یہ صرف چھ سات مہینوں کے لئے تھا بعد ازاں پھر کعبہ ہی قبلہ ہوگیا۔

2* سورہ بقرہ میں صرف صبغۃ اللہ یعنی خدا کا رنگ لکھا ہوا ہے اور سیل صاحب نے لفظ ہم نے لیا زیادہ کیا ہے راڈویل صاحب لفظ اسلام کی ایزادی سے لکھتے ہیں کہ خدا کا رنگ یا بپتسمہ اسلام ہے ۔ پامر صاحب فرماتے ہیں کہ اسکے معنی خدا کے رنگ کے ہیں اور کپڑا رنگنے سے ماخوذ ہے صبغہ کے معنی بپتسمہ کے نہیں ہیں مفسرین اس کے ترجمہ میں متفق نہیں ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی محض دین اللہ کے ہیں اور بعض ختنہ کے معنی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگرچہ مسیحیوں نے ختنہ کے عوض میں بپتسمہ کی رسم اختیار کی ہے تو بھی مسلمانوں میں ایک ایسی رسم ہے جو اپنے پورا کرنیوالے کو پاک کرتی ہے ۔ اور جو اس خیال میں متفق ہیں اور وہ اس کا یوں بیان کرتے ہیں صبغۃ اللہ ختان است وآن تطہر مسلمان است یعنی صبغۃ اللہ ختنہ ہے اور وہ مسلمانوں کو پاک کرتا ہے تفسیر حسینی جلد اول صفحہ 23۔

نیز اسی لفظ کے معنی محض رنگ کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص دین عیسوی میں داخل ہوتا تھا اس کے جسم اور لباس کو زدرنگ میں رنگتے تھے۔ پر بعض کا یہ خیال ہے کہ اس کے بال بچوں کو زرد رنگ گھول کر پانی میں بپتسمہ دیتے تھے۔ پھر یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص مسلمان ہوتا تھا تو استعارہ کے طور پر اس سے روحانی بپتسمہ مراد لیتے تھے کیونکہ وہ بت پرستی کی نجاست وآلائش سے پاک وصاف کیا جاتا تھا ۔ غرض ان تمام باتوں میں مفسرین اسلام اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ خواہ بلحاظ قبلہ دیکھیں یا بلحاظ بپتسمہ عیسائیوں کے درمیان مسلمانوں سے اچھی اور عمدہ رسوم نہیں ہیں۔ خلاصتہ التفاسیر جلد اول کا صفحہ نمبر 80 ملاحظہ فرمائیے۔

لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاء فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوِهَكُمْ شَطْرَهُ یعنی اوروہ قبلہ جوہم نے ٹھہرایا جس پر تو تھا نہیں مگر اسی واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع ہے رسول کا اور کون پھر جاویگا الٹے پاؤں؟اور یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دی اللہ نے اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا یقین لانا البتہ لوگوں پر شفقت رکھتاہے مہربان۔ ہم دیکھتے ہیں پھر جانا تیرامنہ آسمان میں سے سو البتہ پھرینگے تجھ کو جس قبلہ کی طرف توراضی ہے۔ اب پھیر منہ اپنا مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو۔ پھیرومنہ اسی کی طرف۔

حضرت محمد کی زندگی میں مذکورہ بالا تبدیلی کی نسبت احادیث میں بہت سے قصے مندرج ہیں چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ جب آپ نے یہودیوں کواس درجہ کا ضدی پایا تو جبرائیل فرشتہ سے کہا میں چاہتا ہوں کہ خدا پھر کعبہ کو ہمارا قبلہ مقرر کردے۔ جبرائیل نے جواب دیا کہ خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں تو بہت معزز وممتاز ہے۔ سو بہتر یہ ہے کہ تو خود ہی خدا سے اس امر کی درخواست کرے۔

اس کے بعد قبلہ کی تبدیلی کے لئے آپ ہمیشہ وحی آسمانی کے منتظر تھے۔ علاوہ ازیں پہلے جو یہودیوں کے ساتھ روزے رکھتے تھے اب ان کے عوض ماہِ رمضان روزوں کا مہینہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ سورہ بقرہ کے 23ویں رکوع میں لکھا ہے " مہینہ رمضان کا جس میں نازل ہوا قرآن ۔ہدایت واسطے لوگوں ک اور کھلی نشانیاں راہ کی اور فیصلہ پھر جو کوئی پاوے تم میں یہ مہینہ تووہ روزہ رکھے اور پھر اسی سورت کے انیسویں رکوع میں یہودیوں کو نہایت سختی سے یوں خطاب کیا گیا ہے "یعنی جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ اتارا ہم نے صاف حکم اور راہ کے نشان بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب 1* میں۔ ان کو لعنت دیتا ہے اللہ اور لعنت دیتے ہیں سب لعنت دینے والے۔

یہودیوں میں سے جنہوں نے اسلام کو قبول کیا تھا ان میں سے بعض ان مذکورہ بالا تغیر وتبدیل کے باعث یا چند دوسرے عام اسباب کی وجہ سے یہودی شریعت کی بعض باتوں کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔ ان کو سورہ بقرہ کے پچیسویں رکوع میں یوں عتاب کرکے خبردار کیا گیا ہے۔ "یعنی اے ایمان والو داخل ہو مسلمانی میں پورے۔2* اور مت چلو قدموں پر شیطان کے۔ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ پھر اگر ڈگنے لگو بعد اس کے کہ پہنچے تم کو صاف حکم تو جان رکھو کہ اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ پوچھ بنی اسرائیل سے کتنی دیں ہم نے ان کو واضح آیتیں ؟ اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکے اس کو۔ تو اللہ کی مار سخت ہے۔

1*۔ جس کتاب کا اس جگہ ذکر ہے اس سے توریت مراد ہے اور جو لوگ اس کے معانی کو چھپاتے ہیں ان پر خدا کی طرف سے لعنت ہے اور دوسرے لعنت کرنے والوں سے فرشتے جن اور آدمی مراد ہیں۔ دیکھئے تفسیر حسینی جلد اول صفحہ 26 اور تفسیر عبداللہ ابن عباس صفحہ 29۔

2*۔ نعمتہ اللہ ۔سے بعض کے نزدیک خود حضرت محمد مراد ہیں زیادہ صحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مردا ہے۔

3*۔ مفسرین کا بیان ہے کہ سچے دین یعنی سلم سے دین اسلام مراد ہے اور خطوات الشیطن یعنی شیطان کے قدموں سے شیطان کا فریب اور اس کی وہ دھوکہ وہی مراد ہے جس کے وسیلہ سے وہ یہودیوں کو منسوخ شدہ شریعت کی اطاعت کی طرف ترغیب وتحریص دلاتا ہے ۔ جس کا بیان تفسیر حسینی جلد دوم کے 35 ویں صفحہ پر یوں کیا گیا کہ وساوس شیطانی باحکام منسوخہ یعنی منسوخ شدہ شریعت کی بابت شیطان کے وسوسے ہیں۔

حضرت محمد اور یہودیوں کے درمیان یہ دشمنی ایک قدرتی بات تھی اور بالکل امر طبعی کا حکم رکھتی تھی۔ فقط یہی بات نہ تھی کہ یہودی لوگ حضرت محمد کی تعلیم اور ان کے دعویٰ کو قبول نہیں کرسکتے تھے بلکہ عملی طور پر خاص کر اصولی باتوں میں ان کی سخت مخالفت کی گئی تھی۔جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جاویگا آنحضرت بہت چاہتے تھے کہ اہل عرب کی پرانی رسومات قائم رہیں۔ یہاں تک کہ آپ نے بت پرستوں اور منکروں کے بہت سے دستوروں کو اسلام میں قائم رکھا۔ وہ لوگ اپنی شریعت کے مطابق اپنی رسومات کے بڑے حامی تھے اور ان کی اکثر رسومات ان کی شریعت پر مبنی تھیں۔ اب وہ وقت آگیا کہ حضرت محمد یہودیت سے بالکل دست بردار ہوں اور بعض عربی مصنف بیان کرتے ہیں کہ اس وقت آپ نے بہت سے تغیر وتبدل کرنے شروع کئے اور اس سے خاص غرض یہ تھی کہ یہودیت کی مشابہت 1* اسلام سے بالکل جاتی رہے۔

1*۔ ربی گائیگر جملعہ کراھتہ لموفقتہ لنفی الشبیہ بالیہود کو اپنی کتاب مسمی Washat Muhamedans dum fuduntmme afgenoun کے صفحہ 38 میں اقتباس کرتے ہیں اور یہ فاضل اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے کس قدر تغیر وتبدل کئے ۔ پھر وہ نماز عشا کا ذکر بھی کرتے ہیں جو کہ شام کے کھانے کے بعد تالمودی احکام کے برخلاف پڑھی جاتی تھی۔ مستورات کے متعلق جس قدر قوانین ہیں وہ سب کے سب یہودیوں کی نسبت اہل عرب کے دستورات سے زیادہ ترموافقت رکھتے ہیں۔

سورہ بقرہ کے 23 رکوع میں جو یہ اجازت دی گئی ہے کہ احل لکمہ لیلۃ الصیامہ الرفشالی نسالکمہ یعنی حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں سے وغیرہ بالکل تالمودی تعلیم کے برخلاف ہے اور پھر عورتوں کے متعلق اسی سورت میں آگے چل کر جو قوانین مقرر کئے ہیں وہ نہایت ہی نفرت انگیز ہیں یہاں تک کہ سید امیر علی صاحب کے نزدیک ایسی آیات بعد کی آیات سے منسوخ ہو گئی ہیں۔ (دیکھو لائف آف محمد صفحہ 248) پرتاہم اسلام اس سے دستبردار نہیں ہوا بلکہ یہ قانون بدستور جاری ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ کس طرح حضرت محمد نے اسلام کو یہودیت سے الگ کرنے کی کوشش کی۔ سید امیر علی صاحب اپنی کتاب Personal Law of the Muhammadan's کے صفحہ 335 پر اس قانون کا ذکر کرتے ہیں۔ اور بحیثیت مورخ قرآنی تحائف پر افسوس کرتے ہیں اور اس کی صحت کو شکوک مبہم قرار دیتے ہیں۔ پر ایک باہر شرعیت دان کی حیثیت میں وہ اس کی ضرورت کے بھی اقراری ہیں۔ قانون کے اس امر کے متعلق فی الحقیقت مستعمل ہے وہ سیلی صاحب کی کتاب Inameea کے صفحہ 140 اور Hanifow کے صفحہ 292 میں پایا جاتا ہے۔ بہر کیف جو قوانین استثنا کی کتاب میں مندرج ہیں یہ ان کے برخلاف اور برعکس ہے۔ دیکھو استثنا کے 24 باب کی پہلی چار آیتیں۔

جب آپ نے یہودیوں کو اس طرح رد فرمایا تو اس وقت ساتھ ہی ساتھ آنحضرت نے اہل مکہ کو حج کعبہ کی اجازت دے کر ان کے ساتھ میل ملاپ اور رشتہ اتحاد قائم کرنیکی کوشش کی۔ چنانچہ سورہ بقر کے 24 رکوع میں لکھا ہے وَاَتموا الحج والعمرۃ اللہ۔ یعنی پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے واسطے۔ پھر اسی طرح بت پرستوں اور منکرین کی پرانی رسومات کے جاری رکھنے کی خدا سے منظوری حاصل کی گئی اور صفاومردہ کی پہاڑیوں کے گرو پھرنا برقرار رکھا گیا۔ چنانچہ سورہ بقرہ کے 19 رکوع میں لکھا ہے " صفا اور مردہ جو ہیں نشان ہیں اللہ کے۔ پھر جو کوئی حج کرے اس گھر کا یا زیارت تو نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ بالاآیات بہت مدت بعد پہلے حج کے موقعہ پر نازل ہوئیں لیکن ان کو اس جگہ تحریفاً درج کردیا گیا۔ سورہ بقرہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد جب مدینہ میں وارد ہوئے تو شروع شروع میں بہت کچھ ہوشیاری وعیاری کام میں لائے۔

چنانچہ اس وقت کی تواریخ سے اس امر کی بخوبی تشریح ہوجاتی ہے ۔ جس طرح آنحضرت اخلاقی اور ملکی معاملات کی ضروریات کے مطابق عین وقت پر وحی کا نزول ہوتا تھا آپ کے حسب حال اور حسب ضرورت آپ کے دعویٰ کی تائید ہوتی تھی یہ آیتیں ہیں نہایت عمدہ نظیر ہیں۔ علاوہ ازیں اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد کو مدینہ جاتے ہی اس امر کا کامل یقین ہوگیا تھا کہ اپنے ہم وطنوں یعنی اہل مکہ سے ضرور بہت جلد علانیہ حرب وضرب اور معرکہ آرائی کرنی پڑیگی۔ پس بہر حال حضرت محمد کے اس وقت ضروری تھا کہ ان آنے والی تکالیف ومصائب کو برداشت کرنے کے لئے مومنین کو تیار کریں اور ان کی ہمت بڑھائیں ۔چنانچہ سورہ بقرہ میں یوں مندرج ہے کہ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْاْ مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاء وَالضَّرَّاء (آیت 124) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّهُ مُوتُواْ ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَشْكُرُونَ (آیت 246) یعنی کیا تم کو خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر آئے نہیں احوال ان کے جو آگے ہو چکے تم سے ۔پہنچی ان کو سختی اور تکلیف ۔ تو نے نہ دیکھے وہ لوگ جو نکلے اپنے اپنے گھروں سے (اور وہ ہزاروں تھے) موت کے ڈر سے پھر کہا ان کو اللہ نے مرجاؤ۔ پھر جلایا ان کو بیشک اللہ تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

اس ترغیب وتحریص دلانے اور ہمت بڑھانے کے بعد آنحضرت نے حضرت موسیٰ اور ساؤل کے محاربات اور جنگ جدل کا جن کا انہیں سامنا کرنا پڑا ذکر کرنا شروع کردیا۔ اور آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ساؤل وجدعون میں فرق نہیں کرسکے جس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت توریت شریف کی تواریخ سے بالکل ناواقف تھے تاہم زمانہ قدیم کے بہادروں اور شمشیر زنوں کے قصص سے جو آنحضرت نے سنائے مومنین کی ہمت بڑھ گئی اور بہت جوش میں آگئے۔

مسلمانوں کے دلوں میں یہودیوں سے دشمنی اور عدوات قائم ہوگئی اور جنگ بدر کے بعد یہ دشمنی بہت بڑھ گئی ۔فتح مندی کے جوش میں آکر حضرت محمد نے ایک اسرائیلی فرقہ نبی قینقاع سے کہا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارا وہی حال ہوگا جو جنگ بدر میں قریش کا ہوا۔ لیکن یہ اسرائیلی فرقہ آپ پر ایمان نہ لایا اور آنحضرت نے ان لوگوں کو ملک سے خارج کردیا اور ان کا تمام مال واسباب ضبط کرلیا۔

نبی ندہر بہت مالدار اور متمول تھے اور جب تک قبلہ کی تبدیلی نہ ہوئی ان کا ایک بڑا معلم حضرت محمد کا دوست تھا لیکن قبلہ کی تبدیلی کے بعد وہ آپ کا مخالف ہوگیا اور آنحضرت کی رضامندی سے خفیہ طور پر قتل کیا گیا۔ پھر اس فرقہ کے تمام لوگوں کو آپ نے یوں کہا کہ پیغمبر خدا کا فرمان یہ ہے کہ سات دن کے اندر اندر ملک سے نکل جاؤ۔ جو سات کے بعد یہاں پایا جائیگا اس کا سر قلم کیا

جائیگا- ان لوگوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم نہیں جائینگے- پر چونکہ مسلمانوں کی جماعت ان کے مقابلہ میں بہت زبردست تھی اسی لئے بیچارے یہودی تابِ مقاومت نہ لاسکے اور ملک سے خارج کئے گئے اور ان کے زرخیز کھیت اور تمام مال واسباب مہاجرین میں تقسیم کیا گیا اور سورۃ الحشر میں آپ کے اس ناشائستہ فعل کے لئے الہیٰ منظوری یوں درج ہے کہ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِوَلَوْلَا أَن كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِمَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ یعنی وہی ہے جس نے نکال دئے جو منکر ہیں کتاب والوں سے اور اگر نہ ہوتا کہ لکھا تھا اللہ نے ان پر اجڑنا تو ان کو مار دیتا دنیا میں اور آخرت میں ہے ان کو عذاب آتش جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا پیڑیا رہنے دیا کھڑا اپنے جڑ پر سو اللہ کے حکم سے تا رسوا کرے بے حکموں کو (آیت 2تا5)۔

کھجور کے درختوں کو برباد کرنا اور کاٹنا عربی آئین جنگ اور موسوی شریعت 1* دونو کی رو سے ممنوعہ اور ناجائیز تھا- لیکن یہ ناواجب کام کرکے آنحضرت نے وحی کے وسیلہ سے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کیا-چنانچہ وحی کی خاص ہدایت کے مطابق لوٹ کے مال واسباب کا بہت سا حصہ مہاجرین کو دیا سورہ حشر کی 8 آیت میں مسطور ہے کہ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ2* الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ترجمہ واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور مالوں سے ۔ ڈھونڈھتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی اور مدد کرنے اللہ کی اور اس کے رسول کی وہی لوگ سچے ہیں۔

1* دیکھو توریت شریف کتاب استثنا رکوع 20آیت 19۔

2* مہاجرین کو آئیندہ جہان یعنی عالم آخرت میں بھی بڑے بدلے کی امید دلائی گئی ہے چنانچہ سورہ آل عمران کے آخری رکوع میں یوں مرقوم ہے "پھر جو لوگ اپنے وطن سے چھوٹے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے میں اتارونگا ان سے برائیاں ان کی اور داخل کرونگا باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں ندیاں اللہ کے یہاں سے ۔

پھر سورہ نساء کے 8 رکوع میں یہودیوں کو سخت لعنت وملامت کرکے متنبہ کیا اور نہایت درشت گوئی اور تلخ بیانی سے ان کو مخاطب کرکے فرمایا کہ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُواْ الْعَذَابَ یعنی جو لوگ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے ان کو ہم ڈالینگے آگ میں ۔ جس وقت پک جاویگی کھال ان کی بدل کردینگے ان کو اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب۔

5 ہجری میں نبی قریضہ یہودیوں کی ایک بڑی زبردست جماعت کا استیصال ہوا- یہ لوگ بہت چاہتے تھے کہ آنحضرت کے مخالفوں سے مل جاویں اور اس میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں ہے کہ تمام دیگر یہودیوں کی طرح نبی قریضہ کے لوگ آنحضرت سے نہایت خفا اور سخت ناراض تھے- ممکن ہے کہ ان کی موجودگی آنحضرت کے نزدیک خطرہ کا باعث ہو لیکن ان پر جس قدر ظلم وستم کیا گیا اس کے بارہ میں آنحضرت کوئی معقول عذر پیش نہیں کرسکتے اور کسی صورت میں آپ کو بریت حاصل نہیں ہوسکتی ۔ انہوں نے عرض کی کہ ہمیں قتل نہ کیجئے ہم ملک چھوڑ کر چلے جاتے ہیں لیکن ان بیچارے مظلوموں کی یہ سب منت وزاری بےفائدہ تھی- بنی قریضہ کے تمام آدمی پانچ پانچ چھ چھ کرکے آنحضرت کی عین حضوری میں نہایت بیدردی اور بے رحمی سے قتل کئے گئے ۔ بازار میں آٹھ سو آدمیوں کا خون موجزن تھا اور آنحضرت کی بے رحمی اور خونریزي سے زمین لال تھ- آپ کے حکم کے مطابق خندقیں کھودی گئیں مظلوم قیدیوں کو زبردستی ان کے کنارے پر دوزانو کھڑا کرکے سر قلم کردیا جاتا تھا اور لاش کو خندق میں پھینک کر اوپر خاک ڈال دیتے تھے- عورتوں کی ایک بڑی تعداد تو مسلمانوں نے آپس میں تقسیم کرلی اور جو باقی رہیں ان کو غلامی میں فروخت کردیا- آنحضرت کو پانچویں حصہ میں قریباً دوسو عورتیں اور بچے آئے اور آپنے انہیں گھوڑوں اور اسلحہ جنگ کے عوض میں بددی لوگوں کے ہاتھ فروخت کردیا- ایک مقتول کی نہایت خوبصورت اور حسین بیوہ آنحضرت نے اپنے حرم سرائے میں داخل کرلی۔

جب اس طرح دو قومیں جلاوطن ہو گئیں اور ایک کا وہیں قلع قمع کیا گیا تو مدینہ میں یہودی لوگ ہمیشہ کے لئے کمزور ہوگئے اور حضرت محمد آئیندہ فتوحات کے لئے میدان جنگ میں خوب ہاتھ پاؤں لمبے 1* کرنے لگے ۔

1* اس کے مفصل بیان کے لئے Muir's Life of Muhammad تیسری جلد کا 276 صفحہ ملاحظہ فرمائیے۔

سورہ احزاب کی 9 آیت سے لے کر 27 آیت تک یہودیوں پر متذکرہ بالا حملہ کا بیان ہے چنانچہ اس بیان کے آخر میں 26 اور 27 آیت میں یوں مندرج ہے وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًاوَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ یعنی اور اتار دیا ان کو جو ان کے رفیق ہوئے تھے کتاب والے ان کی گڑھیوں سے اور ڈالی ان کے دلوں میں دہاک کتنوں کو تم جان سے مارنے لگے اور کتنوں کو بندے کیا اور وارث کیا تم کو ان کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے مال کا۔

اس ماہ جبیں یہودی عورت ریحانہ نے جس کو حضرت محمد نے اپنے لئے مخصوص کرلیا تھا آپ کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ حضرت مجھ کو صرف لونڈی اور خادمہ کے طور پر رکھئے اس میں فریقین کے لئے آسانی ہوگی۔ نیز اس عورت نے اپنے قدیمی دین سے دست بردار ہونے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور یہ بات بالکل معقول معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ آنحضرت نے کس طرح پاس کھڑے ہوکر اس کے مظلوم شوہر اور رشتہ داروں کو قتل کرایا۔ پھر کس طرح ممکن تھا کہ وہ ایسے ظالم شخص کو اپنا شوہر قبول کرنے کے لئے خوش ہوتی۔ وہ بیچاری لونڈی بننے سے کسی طرح انکار نہ کرسکتی تھی چنانچہ آنحضرت نے اس کو ایک غیر منکوحہ بیوی کے طور پر رکھا اور اپنے اس فعل کو اذن الہیٰ کا ملمع چڑھانے کے لئے وحی آسمانی کا پیغام پڑھ سنایا کہ "اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کہ مہر تو دے چکا اور جو مال ہو تیرے 1* ہاتھ کا جو ہاتھ لگاوے تجھ کو اللہ۔"

1* سید امیر علی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ریحانہ کا حضرت محمد کی غیر منکوحہ بیوی ہونا ایک جعل اور بناوٹ کا حکم تھا۔ Life of Muhammad صفحہ 14۔ اس ناواجب امر سے بریت کے لئے سید امیر علی جیسے نیکوروش مصنف کا کوشش کرنا ثابت کرتاہے کہ واقعی یہ ایک نازک معاملہ ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ واقعہ حقیقی ہے اور مفسر حسین جو کہ بڑا ہوشیار اور راست بیان مصنف ہے کہتاہے کہ یہ آیت فی الحقیقت صفیہ ریحانہ اور ان کی مانند دیگر لونڈیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے چنانچہ تفسیر حسینی کی دوسری جلد کے 204 صفحہ میں مندرج ہے کہ صفیہ ریحانہ وامثال ایشاں۔

اب ہم ذرا آنحضرت کے ابتدائی ایام کی نسبت سوچیں اور دیکھیں کہ آپ نے معاملات جنگ اور فوج کشی کے متعلق کس قدر کوششیں اور جانفشانیاں کیں۔ جنگ بدر اگرچہ آنحضرت کی محاربانہ زندگی کی پہلی لڑائی نہ تھی تو بھی اس میں کلام نہیں کہ آپ کو اب تک جس قدر لڑائیاں پیش آئی تھیں ان میں سے جنگ بدر سب سے زیادہ مشہور ہے۔ بدر کی لڑائی سے پیشتر چار قزاقانہ حملوں میں آنحضرت خود علم بردار تھے اور تین مرتبہ آپ 1* کے نائبوں کے زیر فرمان مسلمانوں نے لوگوں کو لوٹنے کے لئے چڑھائی کی لیکن پورے طور سے فائز المرام نہ ہوئے کیونکہ اسے نہ تو قریش کا کچھ چنداں نقصان ہوا اور نہ مسلمانوں کو حسب مراد لوٹ مار نصیب ہوئی۔ اپنی برادری کے لوگوں پر آپ نے صرف ایک مرتبہ ماہ رجب العرب میں کسی قدر کامیابی حاصل کی۔ ماہ رجب العرب اہل عرب کا ماہ حرام ہے اور اس کو اس وقت سے مانتے چلے آتے ہیں جب کہ قومی عداوت وحسد کے باعث صلح وامن کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس مذکورہ بالا حملوں میں مسلمانوں نے قریش کے ایک قافلہ کو لوٹا اور چونکہ ان کا یہ فعل عرب کے دستورات کے برخلاف تھا اس لئے مسلمانوں کو مال غنیمت سے اس قدر تسلی وخوشی حاصل نہ ہوئی جس قدر کہ اس مجرمانہ فعل سے ان کے دلوں پر خوف وہراس چھا گیا۔ پہلے تو حضرت محمد نے صاف انکار کیا اور کہا کہ ماہ حرام میں ڈاکہ مارنے کا میں نے ہر گز حکم نہیں دیا پر جب دیکھا کہ اس سے لوگوں کو تسلی نہیں ہوئی تو پھر آپ نے وحی آسمانی کا فرمان پڑھ سنایا جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان ڈاکوؤں کو خدا نے انکا حرم معاف کردیا ہے چنانچہ سورہ بقرہ کے 27 رکوع کی آیت 217 میں یوں مرقوم ہے يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ یعنی تجھ سے پوچھتے ہیں حرام کے مہینے کو اس میں لڑائی کرنی۔ تو کہہ لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے۔ اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے زیادہ گناہ ہے اللہ کے ہاں اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے زیادہ برا ہے۔

ابن اسحاق اس آیت کا مطلب یوں بیان کرتا ہے کہ آنحضرت نے اس آیت سے مومنین کو اس طرح تسلی دی کہ اگر تم نے ماہ حرام میں لڑائی کی اور کشت وخون کیا تو کونسی بڑی بات ہے وہ تو تم کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور خدا کے نزدیک تمہاری خونریزی سے یہ گناہ بہت بڑا ہے۔ قبیلہ

قریش کے لوگ نہایت قہر آلودہ تھے اور کہتے تھے کہ محمد اور اس کے مقلدوں نے خونریزی اور لوٹ مار سے اور لوگوں کو قید کرنے سے ماہ حرام کو ناپاک کردیا ہے۔

ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے بڑی بڑی مہامت اور معرکہ آرائیوں کی بنیاد پڑگئی۔ اس عرصہ میں وحی قرآنی جس قدر پیغام لایا ان میں انتقام اور لشکر کشی کے مضامین کی روح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور ان میں محاربہ ومقابلہ کے باب میں بڑی ترقی نظر آتی ہے۔ سورہ رعد ایک آخری مکی سورۃ ہے لیکن اس کی 41 آیت آنحضرت کے مدنی ایام سے تعلق رکھتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے بعد میں یا تو حضرت محمد نے خود کو یا کسی جامع قرآن نے سورہ رعد میں داخل کردیا ہے۔اس آیت میں مسلمانوں کے بت پرستوں عربوں کے ممالک مقبوضہ کو دبالینے اور ان میں بیجا مداخلت کرنے کاصاف بیان پایاجاتاہے چنانچہ لکھاہے کہ أَوَلَمْ يَرَوْاْ أَنَّا نَأْتِي الأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللّهُ يَحْكُمُ لاَ مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ یعنی کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹاتے اس کو کناروں سے اور اللہ حکم کرتاہے۔ کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم۔

پھر سورہ حج اغلباً مکی ہے لیکن بعض آیات آنحضرت کے ایام مکہ کے بعد کی اور صاف مدنی معلوم ہوتی ہے مثلاًچھٹے رکوع کی آیت 39 میں یوں مندرج ہے أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌالَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ یعن حکم ہوا ان کو جن سے لوگ ڈرتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہو اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ جن کا نکالا ان کے گھروں سے اور کچھ دعویٰ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔

2 ہجری میں حضرت محمد نے معلوم کیا کہ اپنے ہم وطنوں سے ضرور لڑائی پیش آئیگی۔ چنانچہ سورہ بقرہ جو شروع شروع کی مدنی سورۃ ہے اس کے 26 رکوع کی 216 آیت میں اس طرح مرقوم ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی حکم ہوا تم پر لڑائی کا اور وہ بری لگی ہے تم کو اور شاید تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے لئے۔

سورہ بقرہ میں اسی طرح کی اور بھی کئی آیات ہیں لیکن کسی قدر بعد کے زمانہ کی ہیں اور گمان غالب ہے کہ 7 ہجری میں پہلے حج کے موقعہ پر نازل ہوئی تھیں۔ اگر یہ سچ ہے تو ضرور یہ آیات ساکنان مکہ کے حق میں ہیں اور اگر وہ لوگ عہد جدیدبہ قائم نہ رہیں تو ان کے حق میں 24 رکوع کی آیت 191،192 میں یوں مندرج ہے وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبِّ الْمُعْتَدِينَوَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ اور لڑو بیچ راہ اللہ کے ان سے جو لڑتے ہیں تم سے اور زیادتی مت کرو۔ اللہ نہیں چاہتا زیادتی والوں کو۔ اور مارو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا مارنے سے زیادہ ہے۔ اسی رکوع کی آیت 193 میں پھر مذکور ہے وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ1* وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّهِ فَإِنِ انتَهَواْ فَلاَ عُدْوَانَ إِلاَّ عَلَى الظَّالِمِينَ یعنی لڑو ان سے جب تک نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے اللہ کا۔ پھر اگروہ باز آویں توزیادتی نہیں مگر بے انصافوں پر۔

1* راڈویل صاحب فتنہ کے معنی مکہ سے مسلمانوں کو خارج کرنے یا بت پرستی کی ترغیب دینے کے کرتے ہیں اور سیل صاحب کہتے ہیں کہ اس سے بت پرستی کی ترغیب مراد ہے اور سیل صاحب کا بیان مفسر حسین کے بیان سے مطابقت رکھتا ہے حتی لاتکون فتنہ کا مطلب حسین کے نزدیک یہ ہے کہ تا آن غایت کہ فتنہ نباشند یعنی از شرک اثر نہ ماند۔ دیگر مفسرین اس کا بہت لمبا چوڑا مطلب بیان کرتے ہیں اور بہت کشادہ معنی مراد لیتے ہیں چنانچہ خلاصتہ التفاسیر جلد اول کے 136 صفحہ میں یوں مندرج ہے کہ جب تک مسلمان نہ ہوں یا جزیہ نہ دیں تلوار میان نہ کرو۔ الجہاد ماضی الی یوم القیمہ۔

بنی اسرائیل کے جنگ وجدل کا بیان کرکے اور خصوصاً ساؤل کی معرکہ آرائیوں کے حوالے دے کر آنحضرت نے اپنے مریدوں کی ہمت بڑھائی اور ان کے دلوں میں آتش حرب کو مشتعل کیا۔ حضرت محمد کا ساؤل اور جدعون میں تمیز کرنا اور ان کا خلط ملط حال بیان کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت کو عہد عتیق کی تواریخ کا صحیح علم نہ تھا۔ چنانچہ سورہ بقرہ کے 22 اور 23 رکوع میں بنی اسرائیل کو یوں کہتے ہوئے پیش کیا گیاہے کہ "یعنی بولے ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم کو نکال دیا ہے ہمارے گھر سے اور بیٹوں سے۔ بہت جگہ جماعت تھوڑی غالب ہوئی ہے جماعت بہت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہی ٹھہرنے والوں کے۔

پس جس طرح جدعون کی تھوڑی سی فوج مدیانیوں کے لشکر پر غالب آئی عین اسی طرح سے مسلمانوں کی چھوٹی سے گروہ نے اہل مکہ پر غلبہ حاصل کیا۔ اس قسم کی فتوحات آنحضرت کی تعلیم کی صحت وسچائی پر دال تھیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نشان وشاہد کے طور پر پیش کی جاتی تھیں۔ غرض ان تدابیر اور اس طرح کی تعلیم کے وسیلہ سے حضرت محمد نے مومنین کے دلوں کو مضبوط کیا اور اپنے آپ کے جھنڈے تلے کڑنے مرنے کو تیار ہوگئے۔

اس میں کلام نہیں کہ قریش نے مسلمانوں کو مکہ سے خارج کردیا تھا اور اس وجہ سے یہ خیال ہوسکتا ہے کہ تمام جنگ وجدل کی بنیاد اسی بات پر تھی اور مسلمانوں کا چنداں قصور نہ تھا لیکن اب تو جہاد کا حکم اس حد سے تجاوز کرگیا اور یوں ارشاد ہوا کہ جب تک اکیلے واحد خدا کی پرستش شروع نہ ہو یعنی جب تک اہل مکہ اسلام قبول نہ کریں تب تک تلوار میان میں نہ ہو اور محاربہ ومقاتلہ جاری رہے ۔ دین حق کی اشاعت بزور شمشیر ہونے لگی اور سوائے اسلام کے کسی دوسرے دین کے جواز کا مطلق امکان نہ رہا پر مسلمانوں کی جماعت اب تک بزدل تھی اور شجاعت ومردانگی نے تاحال ان کے دلوں میں جڑ نہ پکڑی تھی۔ منافق یعنی وہ لوگ جو سچے دل سے مسلمان نہ تھے تدابیر جنگ کے باب میں مخالفت کرنے لگے۔ پھر کچھ عرصہ بعد سورہ محمد نازل ہوئی اور اس کے وسیلہ سے آنحضرت نے سچے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا کر لڑائی پر آمادہ کیا اور بزدلوں اور منافقوں کو عذاب دوزخ سے ڈرایا اور زجرو معاتبت کی ۔ چنانچہ چوتھی اور پانچویں آیات میں مندرج ہے کہ فَإِذا1* لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّى إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاء حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا یعنی سو جب تم بھڑو منکروں سے تو مارنی ہیں گردنیں یہاں تک کہ جب کُتاوَڈال چکے ان میں تو مضبوط باندھو قید۔ پھر ایا احسان کریو پیچھے اور یا چھوڑوائی لیجیو جب تک کہ رکھ دے لڑائی اپنے بوجھ۔

1* نولدیکی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی اور بہت سے مفسرین کا بیان بھی اسی سورۃ میں صحیح ٹھہرتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جہاد کا یہ حکم سیدنا عیسیٰ مسیح کی دوسرآمد اور امام مہدی کے ظاہر ہونے تک جاری رہیگا۔ چنانچہ احادیث میں مرقوم ہے کہ الجہاد ماصی الیٰ یوم القیامۃ یعنی جہاد قیامت تک موقوف نہیں ہوگا۔ بعض کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہوگیاہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم جنگ بدر سے پہلے آیا تھا اور ایک محدود مدت تک اسکا اجرا مراد تھا لیکن یہ حنفی فرقہ کا اعتقاد ہے شیعہ لوگ پہلے خیال کے متعقد ہیں۔دیکھئے تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ 362 اور خلاصتہ التفاسیر جلد چہارم 213۔ عبد بن عباس فرماتےہیں کہ حتی تضع الحراب اوزارھا کے معنی یہ ہیں کہ حتی تیرک الکفارہ اشرکہا یعنی اس وقت تک کہ کافر اپنے شرک سے باز نہ آجاویں لیکن جب وہ چوتھی آیت سے جنگ بدر کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو یہ بات کچھ مشکوک سی رہتی ہے کہ اس 5آیت سے وہ جہاد کا عام حکم مرادلیتے ہیں یا نہیں۔

پھر سورہ انفال کے رکوع 5 کی آیت 39 میں مرقوم ہے کہ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّه لڑتے رہو ان سے جب تک نہ رہے فساد اور ہوجاوے حکم سب اللہ کا 1*۔ پھر سورہ محمد کی 22 اور 37آیات میں پست ہمت اور بزدل مسلمانوں کی طرف یوں خطاب ہے کہ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَى لَهُمْ، فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ یعنی کہتے ہیں کہ ایمان والے کیوں نہ اتری ایک سورۃ ؟ پھر جب اتری ایک سورۃ جانچی ہوئی اور ذکر ہوا اس میں لڑائی کا تو تو دیکھتاہے جن کے دل میں روگ ہے تکتے ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بے ہوش پڑاموت کے وقت۔ سو تم بودے نہ ہوئے جاؤ اور پکارنے لگو صلح اور تم ہی رہو گے اوپر اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

اسی طرح آنحضرت کی ان تدابیر وتجاویز سے اسلامی جہاد کی بنیاد پڑگئی اور یہ پہلاموقعہ تھا کہ اہل مدینہ کھلم کھلالڑائی میں شامل ہوئے ۔ حضرت محمد کے ساتھ اہل مدینہ نے صرف یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم آپ کی حفاظت کرینگے اور آپ کو پناہ دینگے لیکن اب ان کو اس سے بڑھ کر کھلم کھلا حملوں میں آپ کی مدد کرنا اور آپ کے دشمنوں سے لڑنا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد 624ہجری میں بدر 2* کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی کے شرح بیان کی کچھ ضرورت نہیں۔ لڑائی سے پہلی رات کو کسی قدر بارش ہوئی اور حضرت محمد نے خواب میں دیکھا کہ دشمنوں کی تعداد بہت کم ہے چنانچہ سورہ انفال کے دوسرے اور پانچویں رکوع میں ان دونوں باتوں کا ذکر یوں مندرج ہے إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّن السَّمَاء مَاء لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ یعنی جس وقت ڈالدی تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کو اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے اور دور کرے تم سےشیطان کی نجاست جب اللہ نے ان کو دکھایا تیرے خواب میں تھوڑے اور اگروہ تجھ کو بہت دکھاتا تو تم لوگ نا مردی کرتے اور جھگڑاڈالتے کام میں لیکن اللہ نے بچالیا۔

1* قاتلو ھمہ حتی لاتلون فتنہ کے معنی مفسیر حسین کے نزدیک یہ ہیں کہ جب تک یہود ونصاریٰ اور دیگر مشرکین کا شرک موقوف نہ ہو قتل کرو چنانچہ تفسیر حسینی کی جلد اول کے 239 صفحہ میں مندرج ہے کہ مشرک بناشد ازوثنی واہل کتاب۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ منکرین اسلام کے ساتھ لڑنے کا بڑاتاکیدی حکم ہوا اور جب تک ویکون الدین کلہ اللہ کے مطابق سب حکم اللہ کا نہ ہوجاوے ہر طرح کی زبردستی اور کشت وخون جائز ہے۔

2* اس لڑائی کے مفصل بیان کے لئے Muir's Life of Muhammad صفحہ 128 جلد سوم کا بارھواں باب اور Muhammad and Mohammedanism مصنفہ کیلی صاحب کو 146 سے 150 صفحہ تک ملاحظہ کیجئے۔

جنگ بدر میں قریش نے شکست فاش کھائی اور ان میں سے بہتوں کو مسلمانوں نے قید کرکے بے رحیمی سے قتل کر ڈالا۔ لوٹ کا مال بہت تھا اور اس کی تقسیم کے باب میں جھگڑا ہو

پڑا۔ایک نہایت نفیس سرخ پیراہن گم ہو گیا اور منافقوں میں سے کسی نے کہا کہ وہ حضرت محمد نے لے لیا ہے لیکن اس الزام سے آنحضرت کی بریت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ یعنی نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپائے رکھے۔(سورہ آل عمران آیت 161)۔

مال غنیمت کی تقسیم کے باب میں جو تنازعہ ظہور میں آیا تھا اسکے اختتام اور انفصال کے لئے سورہ انفال کی پہلی آیت میں وحی کی معرفت خدا کی مرضی کا اظہار اور اسکے آسمانی فیصلہ کا بیان یوں ہوا ہے يَسْأَلُونَكَ عَنِ الأَنفَالِ قُلِ الأَنفَالُ لِلّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُواْ اللّهَ وَأَصْلِحُواْ ذَاتَ بِيْنِكُمْ وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ یعنی تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا۔ تو کہہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا۔ سوڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم میں چلو اللہ کے اور اسکے رسول کے اگر ایمان رکھتے ہو۔

1*قاری نافی ابن امیر حمزہ الکسائی وما کان لنبی ان یغل کے بیان میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان یغل نہیں ہے ان یغل یعنی مجہول کا صیغہ ہے اور اس صورت میں اس کے معنی یہ ہونگے کہ یہ بات اچھی نہیں کہ نبی کچھ چھپاتا پایا جاوے۔دیکھو تفسیر بیضاوی۔

جب آنحضرت مذکورہ بالا آیت کے وسیلہ سے مال غنیمت پر اپنا کلی استحقاق اور پورا حق جماچکے تو پھر اپنے اس دعویٰ کو ذرا اہلکار کرکے اسی سورۃ کے پانچویں رکوع کی آیت 41 میں یوں پیش کیا وَاعْلَمُواْ أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُمْ بِاللّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ یعنی جان رکھو کہ جو غنیمت لاؤ کچھ چیز سو اللہ کے واسطے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے اور قرابت والے کے اور یتیم کے اور محتاج کے اور مسافر کے اگر تم یقین لائے ہو اور اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر جس دن فیصلہ ہوا 1*۔ جس دن بھڑیں دو فوجیں۔چنانچہ مال غنیمت کی نسبت آج تک اسلامی شریعت یہی چلی آتی ہے۔

1* تمام مفسرین کے نزدیک اس فیصلہ یا فتح سے فتح بدر مراد ہے۔ جو یوم الفرقان کہلاتا ہے۔ یوم الفرقان کا ترجمہ روز فعل۔روز فتح اور ہلاکت کا دن مقرر کیا گیا ہے یعنی روز بدر جس میں نیک و بد اور خیر و شر میں فرق ہو گیا چنانچہ تفسیر حسینی جلد اول کے 240 صفحہ میں مندرج ہے کہ روز بدر کے جد اشدن حق از باطل در بود ربی گیگر اس امر کا بیان کرتے ہیں کہ لفظ فرقان ربیوں کے عبرانی لفظ سے لے لیا ہے اور اسکے معنی خلاصی یا کفارہ کے ہیں سورہ بقرہ کے 22 رکوع میں اس لفظ کا مفہوم ماہ رمضان ہے جو گناہوں سے خلاصی بخشنے والا مہینہ خیال کیا جاتا ہے نہ کہ قرآن جو عموماً روشن کنند اور حق و باطل میں فرق کرنے والا خیال کیا جاتا ہے مفسرین لفظ فرقان کی یوں تشریح کرتا ہے کہ الفرقان وازحدود احکام وسائر شرائع دین کہ جدا کنند است میان حق و باطل دیکھو تفسیر حسینی جلد اول صفحہ 30 Geiger's Judaism and Islam صفحہ 41 اور Rodwell Quran صفحہ 76۔

حضرت محمد کو مدینہ میں عزت ووقار حاصل کرنے کے لئے جنگ بدر میں فتح مند اور ظفریاب ہونا نہایت ضروری تھا کیونکہ گذشتہ مار دھاڑ میں آپ کو بہت کم کامیابی نصیب ہوئی تھی اور اس سبب سے آپ کا جتھا بہت ضعیف سمجھا جاتا تھا۔ اب جنگ بدر میں فتحیاب ہو کر ہر طرح سے آپ نے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی اس جنگ میں معجزانہ طور پر خدا نے آپ کی مدد کرکے آپ کو فتح مند اور ظفریاب کیا ہے چنانچہ سورہ انفال کے پہلے رکوع کی آخری آیات میں یوں مرقوم ہے کہ إِذْ 1*تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلآئِكَةِ مُرْدِفِينَوَمَا جَعَلَهُ اللّهُ إِلاَّ بُشْرَى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلاَّ مِنْ عِندِ اللّهِ یعنی جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں مدد بھیجونگا تمہاری ہزار فرشتے لگا تار آنے والے۔ اور یہ تو دی اللہ نے فقط خوشخبری اور تاچین پکڑیں دل تمہارے اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے۔

1* تحقیق معلوم نہیں ہے کہ آیا یہ آیات قبیلہ قریش کے حق میں نازل ہوئی ہیں یا یہودیوں یا مومنین مدینہ کے حق میں (دیکھو بیضاوی کی تفسیر قرآن) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے ساکنان مکہ یا اہالیان مدینہ مراد ہے۔ یہ نشان حضرت محمد کی نبوت کا ایک صریح ثبوت متصور ہوتا ہے۔چنانچہ تفسیر حسینی کے صفحہ نمبر 7 میں مندرج ہے کہ نشانے درست بر نبوت محمد۔

پھر آگے چل کر یہی مذکورہ مدد آنحضرت کے دعویٰ کی تائید اور مومنین کی تنبیہ اور دل ہی کی طرف اشارہ کرتی ہے چنانچہ سورہ آل عمران کے دوسرے رکوع کی 13 آیت میں یوں مذکور ہے کہ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ وَاللّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاء إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لَّأُوْلِي الأَبْصَارِ یعنی ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ دو فوجوں میں جو بھڑی تھیں۔ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری منکر ہیں۔ یہ ان کو دیکھتے ہیں اپنی دو برابر صریح آنکھوں سے اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے اسی میں خبردار ہو جاویں جن کو آنکھ ہے۔ پھر سورہ انفال کے دوسرے رکوع کی 17 آیت میں مسطور ہے کہ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَـكِنَّ اللّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَـكِنَّ اللّهَ رَمَى یعنی سو تم نے انکو نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی آنحضرت کی طرف سے

جن لوگوں نے جنگ بدر میں اپنی جانیں دیں ان کو رتبہ شہادت نصیب ہوا چنانچہ سورہ بقرہ کے 19 رکوع میں یوں مندرج ہے 1*

یعنی جواللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردے نہ کھو بلکہ وہ زندہ ہیں۔

1* تحقیق معلوم نہیں کہ آیا یہ آیت جنگ بدر سے علاقہ رکھتی ہے یا جنگ احد سے مفسر حسین فرماتے ہیں کہ دوروز بدرجان شیریں بدادواز نعمت ِحیات ولذت نصیم دینا محروم شد عبداللہ ابن عباس جملہ تقیل فی سبیل اللہ کے بیان میں فرماتے ہیں کہ یقتل فی طاعت اللہ یوم بدر یعنی جنگ بدر میں خدا کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مارے گئے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں مندرج ہے کہ شہیدوں کی روحیں خدا کے حضور ان سبز پرندونکے جسم میں داخل ہوتی ہیں جو کہ بہشت میں ادھر ادھر پرواز کرتے اور عرش الہٰی کے گرداگرد کی قندیلوں کے پاس بسیرا کرتے ہیں۔ (دیکھو خلاصتہ التفاسیر جلد اول صفحہ 96)

اگرچہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد قریش کےمقابلہ میں بہت کم تھی تو بھی انہوں نے فتح پائی اور قریش کے بعض آدمی جوآنحضرت کے سخت دشمن تھے میدان جنگ میں مارے گئے لہذا اس فتح کی تاویل کے باب میں تائید آسمانی اور الہیٰ مداخلت کا بیان قرین قیاس اور قابل اعتماد معلوم ہونے لگا۔ اسی فتح کے باعث آنحضرت کی زندگی محفوظ ہوگئی اور جس حکمت عملی کے مطابق آپ کارروائی کرنے کے مشتاق تھے اب بلاروک ٹوک اس پر کاربند ہوگئے اور چونکہ اقوام یہود کی اعانت کی آپ کو اب کچھ ضرورت نہ رہی اسی لئے ان کو بھی خوب دبانا شروع کیا۔ جب عرب کی بددی قومیں آپ کی ظفر یابی سے واقف ہوئیں توان پرآپ کا رعب مسلط ہوگیا اور انہوں نے آپ کو ایک فوج ظفر موج کا سپہ سالار جان کرآپ سے عہدوپیمان کی استدعا کی۔ان لوگوں کوآپ کی پیغمبری اور نبوت کی چنداں پروا نہ تھی لیکن آپ نے ایک جنگی سپہ سالار کی حیثیت میں ان کی توجہ کو کھینچ لیا اور وہ آپ کی تعظیم کرنے لگے۔ جب کبھی کوئی فتح نصیب ہوئی توآنحضرت نے یہی مشورہ کیا کہ یہ سب آسمانی مدد اور الہیٰ تائید کا نتیجہ ہے۔ اس قسم کے دعویٰ سے آپ کی طاقت وشہرت روز افزوں ہوتی گئی لیکن ساتھ ہی اس قسم کے اشتہار دینا اور ایسی تدبیر پر چلنا اور ازحد خطرناک تھا کیونکہ جب کبھی آپ شکست کھاتے تھے توطبعی طور پر جو نتیجہ نکل سکتا تھا وہ یہی تھا کہ خدا نے آپ کو ترک کردیا۔ چنانچہ کچھ مدت بعد ایسے موقعوں پر فی الحقیقت لوگوں نے یہی نتیجہ نکالا۔

جنگ بدر میں شکست کھاکر قبیلہ قریش کے لوگ انتقام کے لئے سخت دانت پیس رہے تھے۔ دوسرے سال انہوں نے مصمم ارادہ کیا کہ اپنے دشمنوں کو مغلوب کرنیکے لئے ایک دفعہ پھر میدانِ جنگ میں صف آراہوں۔ چنانچہ 625ء کے موسم بہار میں پہلے کی نسبت کسی قدر زیادہ فوج فراہم کرکے مدینہ کے قرب وجوار میں جا اترے۔ اب حضرت محمد نے دانشمندی سے ہر چند چاہا کہ قریش پر حملہ نہ کرے بلکہ خود حفاظتی کے لئے مسلح رہے لیکن آپ کے بعض ناتجربہ کار اور سرگرم مومنین نے آپ کو اس تدبیر پر عمل کرنے سے باز رکھا اور کھنے لگے کہ بدوی اقوام کےدلوں میں اب آپ کی طاقت اور بالادستی کے رعب داب کا سکہ بیٹھ چکاہے۔اور اس لئے اس وقت حملہ نہ کرنا بزدلی کا اظہار ہوگا۔آپ کی مشکلات کےوقت مدد آسمانی اور تائید الہیٰ پر شبہ کیاجائیگا۔آسمانی مدآنحضرت کی من جانب اللہ رسالت کا ایسا ثبوت مانی گئی تھی کہ اگر اب کسی امر میں آپ ذرا بھی شک وشبہ ظاہر کرتے توآپ کی تمام شہرت خاک میں مل جاتی۔ آخر الامر آپ نے قریش کے ساتھ معرکہ آراہونا منظور کرلیا اور مومنین کو فرمایا کہ اگر تم استقلال سے لڑوگے توخدا تعالیٰ تم کو فتح مندی بخشیگا 1*۔

کچھ عرصہ تک بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن جب دونوں فوجیں اچھی طرح غٹ پٹ ہوئیں تومسلمانوں نے بہت بری طرح شکست کھائی اورآنحضرت خود بھی سخت زخمی ہوئے اور نہایت ناراض ہوکر فرمانے لگے کہ وہ قوم کس طرح ترقی کریگی اور اس کا کیونکر بھلاہوگا جس نے اپنے نبی کے ساتھ جوخدا کی طرف بلاتا ہے ایسی بدسلوکی کی؟ جنہوں نے پیغمبر خدا کے چہرہ کو 2* خون آلودہ کیا ان پر خدا کے غضب کی آگ نازل ہو۔ قریش کی فوج ظفر موج نے اب فتح احد سے تسکین حاصل کی اور بجائے اس کہ ہزیمت یافتہ مومنین کا تعاقب کرے مکہ کی طرف روانہ ہوئی اور جنگ احد کا خاتمہ ہوا۔

1* میور صاحب نے جنگ احد کا حال نہایت مفصل اور شرح لکھاہے۔ دیکھو Muir's life of Muhammad

2* دیکھو Muir's life of Muhammad کی جلد سوم کے 175 صفحہ پر مقتبسات واقدی۔

جو مسلمان جنگ احد میں کام آئے تھے احادیث میں انہیں شہدا بیان کیا ہے لیکن اس شکست کی صاف تاثیر یہ تھی کہ مومنین نہایت مغموم 1* اور مصیبت زدہ ہوگئے۔ جنگ بدر میں جو آنحضرت کو فتح نصیب ہوئی تھی اس کو اپنے اس قدر تائید الہیٰ اور آسمانی مدد سے منسوب کیا تھا کہ اب

احد کی شکست سے خواہ مخواہ یہ خیال مسلط ہونے لگا کہ خدا تعالیٰ آنحضرت کی مدد ویاروی سے دست بردار ہو گیا۔ خصوصاً یہودیوں نے اس دلیل پر بہت زور دیا اور کہنے لگے کہ حضرت محمد شاہی جاہ جلال کی دھن میں مستغرق ہورہے ہیں اور کسی طرح سے وہ اپنے آپ کو اس سے بری نہیں کرسکتے۔آج تک کسی سچے نبی کی یہ حالت نہیں ہوئی کہ اس نے حضرت محمد کی طرح میدان جنگ میں شکست کھائی ہو اور آنحضرت کی طرح اپنے مومنین سمیت مجروح وزخمی ہو کر میدان جنگ سے گریزاں 2* ہوا ہو۔اب اس امر کی ضرورت پڑی کہ آنحضرت ہر طرح کی تدابیر وتقریر سے یہودیوں کے اعتراضات کا کافی جواب دیں اور بعض مسلمانوں کے مخفی اور دلی شکوک کو رفع کریں۔ چنانچہ آپ نے نہایت ہوشیاری سے وحی آسمانی کو پیش کیا اور فرمایا کہ جنگ احد میں شکست کے اسباب یہ تھے کہ اکثر مومنین کے درمیان باہمی لڑائی جھگڑے اور نا اتفاقی تھی۔

1* قبیلہ قریش کے لوگوں نے مسلمانوں کی اس شکستہ دلی کو غنیمت جانا اور ان کو آنحضرت سے برگشتہ کرنیکے لئے کوشش کرنے لگے۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت بھی خاموش نہ تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کرنا یہا الذین امنوآن تطیعوالذین کفروایر دوکمہ علیٰ اعقا بکمہ ذتنقلبوا خسرین یعنی اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے منکروں کا تو تم کو پھیر دینگے الٹے پاؤں پھر جا پڑو گے نقصان میں (دیکھو سورہ آل عمران رکوع 16) مفسر حسین فرماتے ہیں کہ منافقوں نے سچے مسلمانوں کو اسلام سے رو گردان ہونیکی ترغیب دی اور کہنے لگے کہ حضرت محمد کی نبوت کا زمانہ گذر گیا ہے اور کفار ان پر غالب آگئے ہیں سو بہتر ہے کہ اب پھر اپنے پرانے مذہب کو اختیار کرو چنانچہ تفسیر حسینی کے 75 صفحہ میں یوں مندرج ہے کہ منافقان مومنان رامیگفتند کہ ایں زمان پیغمبر گذشتہ شد رایت دولت کفارہ استیلا یافت شمارا دیگر بارہ دیں خود رجوع باید کر۔

2* دیکھو Muir's life of Muhammad جلد سوم کے 189 صفحہ پر مقتبسات واقدی

سپہ سالاروں کا حکم نہیں مانتے تھے اور اپنی شخصی حفاظت اور سلامتی کے خواہاں تھے چنانچہ سورہ آل عمران کے 16 رکوع کی آیت 152 میں یوں مرقوم ہے وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّن بَعْدِ مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ یعنی اللہ تو سچ کرچکا تم سے اپنا وعدہ جب تم لگے ان کو کاٹنے اس کے حکم سے جب تک تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور بے حکمی 1* کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز۔ کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا آخرت 2* پھر تم کو الٹ دیا ان پر سے اس واسطے کہ تم کو آزماوے۔

1* حکم رسول کے یا حکم سردار عبداللہ بن جبیر کے (خلاصتہ التفاسیر جلد اول صفحہ 311)۔

2* بیضاوی کہتا ہے کہ بعض محاربین صفوف جنگ سے اپنا مقام چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہوگئے تھے اور بعض رسول اللہ کے حکم کے مطابق اپنی اپنی جگہ جمے رہے۔

پھر بیان کیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مومنوں کے اخلاص اور ان کے ایمان کی صحت کی آزمائش کی غرض سے یہ شکست بھیجی تھی۔ چنانچہ سورہ آل عمران کے 14 اور 17 رکوع میں مندرج ہے کہ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاء وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَوَلِيُمَحِّصَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَوَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَوَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُواْ **آیت 140** اور **166**) یعنی اگر تم نے زخم 1* پایا تو وہ لوگ بھی پاچکے ہیں زخم ایسا ہی اور یہ دن بدلتے لاتے ہیں ہم لوگوں میں اور اس واسطے کہ معلوم کرے جن کو ایمان ہے اور کرلے بعضے تم میں سے شہید اور اللہ چاہتا نہیں 2* ناحق والوں کو اور اس واسطے کہ نکھارے اللہ ایمان والوں کو اور مٹادے منکروں کو اور جو کچھ تم کو سامنے آیا جس دن بھڑیں دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو اور تا کہ معلوم کرے انکو جو منافق تھے۔

1* بیضاوی کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر جنگ احد میں وہ تم پر غالب آگئے ہیں تو جنگ بدر میں تم ان پر غالب آچکے ہو۔

2* بیضاوی کے بیان کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور اصل منکروں کی مدد نہیں کرتا بلکہ بعض اوقات ان کو محض اس غرض فتح مند کردیتا ہے کہ تا کہ ان کو امتحان میں ڈالے اور مومنین کو آزمائے۔

یہودیوں کی طعن وتشنیع کے جواب میں آنحضرت نے وحی آسمانی کی زبانی یوں بیان کیا ہے کہ آگے بھی انبیاء پر اسی طرح تکالیف مصائب آتی رہی ہیں میں ان سے مستثنیٰ نہیں ہوں چنانچہ سورہ آل عمران کے 15 رکوع کی آیت 144 تا 146 میں مرقوم ہے کہ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىَ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَوَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلاَّ بِإِذْنِ الله كِتَابًا 1* مُّؤَجَّلاً وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَوَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُواْ لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَمَا ضَعُفُواْ وَمَا اسْتَكَانُواْ وَاللّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ یعنی محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے پہلے اس سے بہت رسول پھر کیا اور وہ مر گیا یا مارا گیا تو پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی پھر جائیگا الٹے پاؤں وہ نہ بگاڑیگا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دیگا بھلا ماننے والوں کو اور کوئی جی

مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے لکھا ہوا وعدہ اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب 2* پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں نہ سست ہوئے ہیں نہ دب گئے ہیں اور اللہ چاہتا ہے ثابت رہنے والوں کو۔

1* ان آیات میں آنحضرت کی جنگ احد میں فرضی موت کی طرف اشارہ ہے اور اس میں جو استدلال کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر حضرت محمد میدان جنگ میں مارے بھی جاتے تو مومنین کے لئے مناسب نہ تھا کہ اسلام کو ترک کریں۔ کیونکہ پہلے تمام بنی مرگئے پر ان کے دین باطل ومنسوخ نہیں ہوئے بلکہ قائم رہے۔ محدثین کا بیان ہے کہ جب آنحضرت جنگ احد میں زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے تو مومنین یوں پکار کر کہنے لگے کہ اگر محمد صاحب مرگئے ہیں تو کچھ عجیب بات نہیں ہوئی خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ اس کا پیغمبر اپنا کام ختم کرچکا تم اپنے ایمان کی خاطر لڑو لیکن منافقین کہنے لگے کہ چونکہ محمد مرگیا ہے آؤ ہم اپنے گھروں کو واپس چلیں Muir's life of Muhammad جلد سوم کے صفحہ نمبر 173 مقتبسات واقدی۔

بیضاوی بیان کرتا ہے کہ ابن قمیہ نے آنحضرت کے علم بردار مسعب بن عمر کو قتل کیا یہ سمجھ کر کہ میں نے محمد کو مار ڈالا ہے زور سے پکار اٹھا کہ میں نے محمد کو قتل کردیا ہے۔ یہ سن کر مسلمان میدان سے بھاگ نکلے۔ لیکن آنحضرت نے ان کو پکارا اور کہا کہ اے خدا کے بندو میری طرف آؤ پر منافقین نے کہا اگر محمد خدا کا نبی ہوتا تو مارا نہ جاتا آؤ ہم اپنے بھائی بندوں اور اپنے پرانے دین کی طرف واپس چلیں ان آیات کے ترجمہ پر عبدالقادر کا حاشیہ اور تفسیر حسینی کا صفحہ نمبر 85 ملاحظہ کیجئے۔

2* لفظ ربیون کے معنی عالم اور نیکو کار کے بھی ہیں محدثین وکاین من نبی قتل معہ ربیون کثیر کے ترجمہ کے باب میں لکھتے ہیں کہ بسا پیغامبر کہ قتال کروند کفار ہمراہ وخدا پرستان بسیار عبداللہ ابن عباس کے نزدیک ربیون کثیر کے معنی جموع کثیر اور حسین کے نزدیک سپاہ فراداں ہیں۔ خلاصتہ التفاسیر میں یوں لکھا ہے کہ آپ سے پہلے پیغمبر گذرے جن کے ساتھ اللہ والے لڑتے تھے۔ ابن کثیر ابو عمر اور یعقوب وغیرہ قاری قاتل (لڑا یا قتل کیا) کی جگہ قتل (لڑائی کیا گیا یا قتل کیا گیا) پڑھتے ہیں اور بعض کے نزدیک قتل صحیح ہے سو اگر ان قراتوں کے مطابق خیال کیا جاوے تو پہلی سورۃ میں جو معنی ہونگے وہ یہ ہیں کہ بسا اوقات نبی قتل کیا گیا جبکہ نیکو کار لوگ اس کے ہمراہ تھے۔ دوسری صورت میں یہ ہے کہ بسا اوقات نبی نیکو کاروں کے ساتھ مارا گیا۔ پس اس طرح اس آیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ نبی نیکو کار لوگوں سے لڑتا تھا بلکہ یہ کہ نیکو کار لوگ نبی کے ساتھ ہو کر لڑتے اور دشمنوں کو قتل کرتے تھے یا نبی کے ساتھ ہی قتل کئے جاتے تھے درحالیکہ وہ نبی کے ساتھ ہوتے تھے تو بھی نبی قتل کیا جاتا تھا۔

پھر آنحضرت نے مسئلہ تقدیر اور شیطانی تاثیرات کے متعلق تعلیم دے کر اپنے مطلب کی تاویلات کو بہم پہنچایا چنانچہ سورہ آل عمران کے 17 رکوع کی آیت 160 میں یوں مرقوم ہے کہ إِن يَنصُرْكُمُ اللّهُ فَلاَ غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ وَعَلَى اللّهِ فَلْيَتَوَكِّلِ الْمُؤْمِنُونَ یعنی اگر اللہ تمہاری مدد کریگا تو کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور جو وہ تم کو چھوڑ دیگا پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کریگا۔ اس کے بعد اور اللہ پھر بھروسہ چاہیئے مسلمانوں کو۔ اس آیت سے آنحضرت نے یہ بات سمجھائی کہ اگر خدا تمہاری مدد کرے جیسی کہ اس نے جنگ بدر میں کی تو تم پر غالب آسکتے ہو پر اگر وہ تم کو چھوڑ دے جیسا کہ اس نے جنگ احد میں چھوڑ دیا تم ضرور شکست کھاؤ گئے چنانچہ سورہ آل عمران کے 15 اور 16 رکوع اور سورہ حدید کے 3 رکوع میں یوں مندرج ہے کہ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلاَّ بِإِذْنِ الله كِتَابًا مُّؤَجَّلاًإِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْاْ مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا یعنی کوئی جی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے لکھا ہوا۔ جو لوگ تم میں ہٹ گئے جس دن بھڑیں دو فوجیں سو ان کو ڈگا دیا شیطان نے کوئی آفت نہیں پڑی ملک میں اور نہ آپ تم میں جو نہی لکھی ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اس کو۔

آخر الامر جو لوگ جنگ احد میں مارے گئے تھے ان کو حضرت محمد نے خطاب شہادت سے ممتاز کیا اور ان کی جزا میں مبالغہ کرتے کرتے ان کو آسمانی افواج میں شریک کردیا۔ چنانچہ سورہ آل عمران کے 17 رکوع میں مندرج ہے کہ وَلاَ تَحْسَبَنَّ2* الَّذِينَ قُتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاء عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَفَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُواْ بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلاَّ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَيَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللّهَ لاَ يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ یعنی تو نہ سمجھ جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے۔ خوشی کرتے اس پر جو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور خوشوقت ہوتے ہیں انکی طرف سے جو ابھی نہیں پہنچے ان میں پیچھے سے اس واسطے کہ ڈر ہے ان پر نہ ان کو غم۔ خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی۔

1* نولدیکی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت سخت مصیبت میں مبتلا تھے اور اس سے صاحب موصوف نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ ساری سورۃ ہی جنگ احد کے بعد نازل ہوئی تھی۔ مفسرین اسلام اس آیت کو کسی خاص واقعہ کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اس کے عام معنی لیتے ہیں ۔ حسین بیان کرتا ہے کہ اس سے کال وقحط مالی نقصانات بیماری اور افلاس مرادا ہیں جو کہ پہلے ہی لوح محفوظ میں مرقوم ہیں۔ دیکھو تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ 381۔

2* احادیث میں شہیدوں کی بہشتی فرخندہ فالی وخوشحالی کی نسبت نہایت عجیب وغریب حکایات مندرج ہیں آنحضرت نے خود فرمایا کہ جب مومنین احد میں شہید ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی روح سبز پرندوں کے بدنوں میں کردی جو جنت کی نہروں اور میووں سے کھاتے پیتے ہیں (خلاصتہ التفاسیر جلد اول صفحہ 320 اور 321) مفسر معالم فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شہیدان بدر کی طرف اشارہ ہے اور اس سے شہیدان احد مراد نہیں ہیں۔

سورہ آل عمران کے آخر میں ایک مغلق المضمون سی آیت پائی جاتی ہے جس سے آنحضرت پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اگرچہ ساکنان مکہ کو جنگ احد کے وقت سے کافی آزادی حاصل ہے اور وہ اپنے

تجارتی کاروبار کے لئے بلاروک ٹوک ادھر ادھر شہروں میں آتے جاتے ہیں تاہم آپ کو بیدل ہونا اور کسی طرح سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے چنانچہ لکھاہے کہ لاَ يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ 1* الَّذِينَ كَفَرُواْ فِي الْبِلاَدِمَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ یعنی تو نہ بہک اس پر کہ آتے جاتے ہیں کافرشہروں میں۔ یہ فائدہ ہے تھوڑاسا پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا بری تیاری ہے۔

ان حالات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں نے ایسی شکست فاش کھائی تھی کہ عرب کے بت پرست لوگ بے خوف اپنے معمولی کاروبار کے لئے ادھر ادھر آتے جاتے تھے۔ اس سے آنحضرت بہت بیدل ہونے لگے اور آپ کے مومنین کی بھی ہمت ٹوٹنے لگی۔ لہذا آنحضرت کی ہمت بڑھانے اور آپ کے مریدوں کی دلجمعی کرنے کے لئے مذکورہ بالاآیت نازل ہوئی۔

1* لاَ يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُواْ فِي الْبِلاَدِ کے معنوں کے باب میں مفسر عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ذهاب الیهود والمشرکین فی تجارة یعنی یہودیوں اور مشرکوں کا ادھر ادھر تجارت کی غرض سے آنا جانا۔ تفسیر حسینی کی پہلی جلد کے 195 صفحہ میں مفسر حسین لکھتے ہیں باید کہ فریب ندہد ترارفتن وآمدن کافران در شہر ہا برائے تجارت

سورہ آل عمران 1* اس مضمون کی آیات سے پر ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ان حالات کے باعث نہایت مشکل میں تھے اور آپ نے نہایت جانفشانی سے کوشش کی کہ احد کی شکست سے جو خطرات متصور ہوسکتے تھے ان کو مدینہ سے دفع کریں اور ان کے تدفیعہ کے وسیلہ سے اپنے مریدوں کو استقلال بخشیں۔

علاوہ اس کے یہ سورۃ اس امر کی ایک نہایت عمدہ اور صریح نظیر ہے کہ جب مسلمان اپنی خستہ حالی اور بربادی کے باعث بیدل ہوجاتے اور ہمت ہار بیٹھتے تھے تو ان کی تسلی وتشفی کے لئے کس عجیب طور سے عین وقت پروحی کا نزول ہوتا تھا۔

1* آنحضرت کی نظر میں یہ سورۃ احد قابل قدر تھی چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی سورہ آل عمران کو پڑھیگا اس کو ہر ایک آیت کے ثواب میں یہ حق حاصل ہوگا کہ پل صراط سے سلامت گذر جاوے۔ Chrestomathia Baidowania صفحہ نمبر 142۔

ایسامعلوم ہوتاہے کہ تھوڑی دیر بعد پھر آنحضرت کو کامیابی کی امید ہو گئی کیونکہ جنہوں نے جنگ احد میں پیٹھ دکھائی تھی ان کو آپ نے خوب دھمکایا 1* اور ملامت کی اور بیان فرمایا کہ اب ضرور اسلام غالب آئیگا اور صرف دین اسلام ہی کل دنیا کا دین قرار پائیگا۔ چنانچہ سورۃ صف کی 9آیت میں یوں مندرج ہے هُوَ2* الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ یعنی وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ لے کر سچا دین کہ اس اوپر کرے دینوں سے سب سے اور پڑے برا مانیں شرک کرنے والے۔

جنگ احد 3* کے بعد دونوں فوجیں باہم یہ دھمکی سنا کر کہ اگلے سال میدان بدر میں پھر دیکھینگے میدان جنگ سے روانہ ہوئیں۔ دوسرے سال جب وقت آیا تو قبیلہ قریش کے لوگ بہت سی فوج لے کر حسب وعدہ بدر کی طرف روانہ ہوئے لیکن گرمی کی شدت اور تمازت آفتاب کی تاب نہ لاکر مکہ کی طرف واپس چلے گئے۔

1* یا ایھا الذین امنوا لمہ تقولون مالا تفلحون لبر مقتا عند اللہ ان تقولومالا تفلحون - ان یحب الذین یقاتالون فی سبیلہ صفاً کا نھم بنیان مرصوص۔ یعنی اے ایمان والو کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے۔ بڑی بیزاری ہے اللہ کے یہاں کہ کہووہ چیز جو نہ کرو۔ اللہ چاہتا ہے ان کو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر جیسے وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی۔

2* اس آیت کے آخری حصہ کا مطلب مفسر حسین کے نزدیک یہ ہے کہ اسلام کا غلبہ عین اسی وقت ہوگا جب سیدنا عیسیٰ مسیح دوبارہ تشریف لائینگے چنانچہ تفسیر حسینی کی دوسری جلد کے 400 صفحہ میں یوں مرقوم ہے کہ تا غالب گرداند رین دین راہ برہمہ کیش وملت بوقت نزول عیسیٰ کہ ہم اہل زمین ودین اسلام قبول کنندہ۔ دوسرا مصنف کہتا ہے کہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ اسلام ناسخ ادیان ہے۔

3* اب بعض مومنین نے آنحضرت کو صلاح دی کہ یہود نصاریٰ سے دوستی پیدا کریں لیکن وحی آسمانی نے اس سے رد کردیا چنانچہ سورہ مائدہ کے رکوع 8 کی پہلی آیت میں یوں مرقوم ہے ترجمہ: اے ایمان والومت پکڑو یہود نصاریٰ کو رفیق۔ وہی آپس میں رفیق ہیں ایک دوسرے کے اور جو کوئی تم میں ان سے رفاقت کرے وہ انہیں میں ہے۔ اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔

سو جب آنحضرت اپنے بہادروں سمیت بدر میں پہنچے تو وہاں قریش کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ آپ نے آٹھ یوم تک بدر میں قیام کیا اور آپ نے مال واسباب کو فروخت کرنے سے بہت سا نفع اٹھایا۔ اس نیک فرجامی کے باب میں جس کے عوض میں سخت کشت وخون کی امید تھی فی الفوروحی کا نزول ہوا۔ چنانچہ سورہ آل عمران کے رکوع کی آیت 172تا 17518 میں یوں مسطور ہے الَّذِينَ اسْتَجَابُواْ لِلّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَآ أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُواْ مِنْهُمْ وَاتَّقَواْ أَجْرٌ عَظِيمٌالَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُواْ لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً وَقَالُواْ حَسْبُنَا اللّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُفَانقَلَبُواْ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُواْ رِضْوَانَ اللّهِ وَاللّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍإِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءهُ فَلاَ تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ یعنی جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا

رسول کا بعد اس کے کہ ان میں پڑچکا 1* تھا کٹاؤ۔ جو ان میں نیک ہیں اور پرہیز گار ان کو ثواب بڑا ہے۔ جن کو کہا لوگوں نے کہ انہوں نے جمع کیا اسباب تمہارے مقابلے کو سو تم ان سے خطرہ کرو۔ پھر ان کو زیادہ آیا ایمان اور بولے بس ہے ہم کو اللہ اور کیا خواب کارساز ہے۔ پھر چلے 2* آئے اللہ کے احسان سے اور فضل 3* سے کچھ۔ نہ پہنچی برائی اور چلے اللہ کی رضا پر اور اللہ کا فضل 4* بڑا ہے اور یہ جو ہے سو شیطان 5* ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے۔ سو تم مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ہو تم ایمان والے۔

1*۔ جنگ احد کی ہزیمت وشکست کی طرف اشارہ ہے۔

2* یعنی میدان بدر سے بغیر لڑنے اور تکالیف وخطرات جنگ کو برداشت کرنے کے واپس آئے۔

3* یا تو مومنین یہاں لوٹ کے مال سے مالامال ہوئے یا بیضاوی کے بیان کے مطابق وہاں ایک بڑا بھاری میلہ تھا اور انہوں نے خریدوفروخت کرکے بہت نفع حاصل کیا۔

4* یعنی ان کو ایمان کی مضبوطی بخشنے اور دشمنوں کے مقابلہ میں استقلال وشجاعت عطا فرمانے میں دیکھو بیضاوی کی تفسیر قرآن۔

5* تحقیق معلوم نہیں کہ یہ شیطان سے کون مراد ہے۔ ابن عباس اور بیضاوی دونوں مفسروں کا خیال ہے کہ اس سے نعیم جو مسلمانوں کو ڈرانے کی کوشش کرتا تھا یا ابوسفیان قریشی سردار مراد ہے۔

قریش کے علاوہ چند دیگر اقوام پر بھی آپ نے کئی بار حملے کئے۔ ان میں سے سوائے ایک کے جس میں آپ نے صلواۃ الخوف کے قوانین کو قائم کیا کوئی بھی قابل ذکر نہیں ہے۔ 1* جب فوج کا ایک حصہ نماز میں مشغول ہوتا تھا تو دوسرا حفاظت کے لئے تیغ برہنہ کھڑا رہتا تھا۔ اس وقت سے قرآن ایک ذریعہ قرار پایا۔ حرب وضرب کی تمام خبریں اور ہر طرح کے فوجی احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے براہ راست قرآن ہی کی معرفت تمام معاملات طے ہونے لگے۔

1* سورہ نساء کے رکوع 15 میں مندرج ہے اور جب تو ان میں ہو پھر ان کو نماز میں کھڑا کرے تو چاہیے ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کرچکیں تو پرے ہوجاویں اور آوے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں کی۔ وہ نماز کریں۔ اس امر کے مفصل بیان کے لئے Sell's Faith of Islam صفحہ نمبر 271 ملاحظہ فرمائیں۔

بعض اوقات آنحضرت کی خانگی زندگی کے متعلق آپ کو استکار قرار دینے کی غرض سے بھی وحی کا نزول ہوتا تھا۔ جو آسمانی فیصلے آپ کے اس وقت کے مدنی معاملات سے علاقہ رکھتے ہیں ان سے اس امر کی بخوبی تشریح ہوجائیگی اگرچہ ان کا واقعی طور پر وقوع میں آنا 626ء میں اور جنگ احد کے بعد زمانہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اپنے متبنی زید کے گھر تشریف لے گئے اور اسکی زوجہ زینب کے حسن وجمال کو دیکھ کر اس پر ایسے فریفتہ اور بیدل ہوئے کہ بس پھر نہ سنبھلے زید فی الفور زینب کو طلاق دے کر آنحضرت کی نظر کرنے پر آمادہ ہوگیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور خدا سے ڈر۔ پر زید ایک صاحب بصیرت شخص تھا اس نے زینب کو طلاق دیدی۔ عام طور پر آنحضرت کا زینب کو سلک زوجیت میں منسلک کرنا کچھ بڑی بات نہ تھی اور شاید اس سے آپ نام پر کسی طرح کا کوئی دھبا نہ لگتا لیکن کسی شخص کا اپنے متبنی کی بیوی سے شادی کرنا گو اس نے طلاق بھی دیدی ہو اہل عرب کی نظروں میں نہایت گھناؤنا اور مکروہ تھا۔ بمصداق ہرچہ بادا باد ما کشتی درآب انداختیم۔ آنحضرت زینب کے بغیر کب رہ سکتے تھے۔ وحی کا نازل کرانا تو اپنے ہاتھ میں تھا۔ شادی رچادی اور الہیٰ منظوری کے ثبوت میں ایک آیت پڑھ سنائی۔ یہ ایک ضروری امر تھا کہ پہلے آپ متبنوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے متعلق لوگوں کے عام اعتراضات کو خدا کے نزدیک نا معقول قرار دیں۔ چنانچہ سورہ احزاب کی چوتھی آیت میں یوں مرقوم ہے وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءكُمْ أَبْنَاءكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا۔ اہل عرب کے دستور اور ان کی مروجہ رسومات کے لحاظ سے حضرت محمد کا زید سے ایسا رشتہ تھا جیسا کہ باپ کا اپنے حقیقی بیٹے سے ہوتا ہے لیکن اسلام نے خدا کے حکم سے اس رشتہ کو برطرف وبالائے طاق رکھ دیا۔ جب آپ کے لئے یہ ایک عام اصول قائم ہوگیا تو پھر زینب کے معاملہ میں آپ کے سامنے کوئی مشکل باقی نہ رہی اور اہل عرب کے خیالات کو آسمانی اختیار سے ہیچ اور بے ہودہ ثابت کرنیکے دعویدار ہوئے چنانچہ سورہ احزاب کے رکوع 5 کی آیت 38، 37 میں یوں مرقوم ہے وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًامَّا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ یعنی اور جب تو کہے اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان 1* کیا اور تو نے احسان 2* کیا رہنے دے اپنے پاس اپنی جورو اور ڈر اللہ سے اور تو چھپاتا اپنے دل میں ایک چیز جو اللہ اس کو کھولا چاہتا ہے اور ڈرتا 3* تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیئے ڈرنا تجھ کو۔ پھر جب زید تمام کرچکا اس عورت سے اپنی غرض ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی تا نہ رہے سب مسلمانوں پر گناہ نکاح کرلینا اپنے لے پالکوں کی جوروؤں سے جب وہ تمام کریں ان سے

اپنی غرض اور ہے اللہ کا حکم کرنا۔ نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو ٹھہرادی اللہ نے اس کے واسطے۔

1* یعنی اس کو مشرف بااسلام ہونے کی اجازت و توفیق بخشی۔

2* اسکو اپنا متبنی بنایا۔

3* تفسیر حسینی اور صحیح البخاری میں مذکور ہے کہ اللہ مبدیہ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ زینب آخر کار آپ کے نکاح میں آئیگی اور تخشی الناس سے یہ مراد ہے کہ حضرت محمد اہل عرب کی رسومات کی خلاف ورزی سے ڈرتے تھے کیونکہ ان کے دستور کے مطابق متبنی کی بیوی سے نکاح کرنا ناجائیز تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری کی تیسری جلد کے 312 صفحہ میں مندرج ہے و تخفی فی نفسلمہ اللہ مبدیہ نزلت فی شان ابنتہ جحش و زید ابن حارثۃ ۔ تفسیر حسینی کی دوسری جلد کے صفحہ 201 میں یوں مرقوم ہے کہ تخفی فی نفسا و پنہاں میکردی در نفس خود ما اللہ مبدیہ آنچہ خدا پیدا کنندہ آن است یعنی آنرا کہ زینب داخل ازدواج طبیات تو خواہد۔ و تخشی الناس و ترسیدی از سرزنش مردم کہ گویدزن پسر خواندہ بخواست۔

پھر آنحضرت کو یہ ایک اور مشکل آئی کہ زینب آپکی حقیقی پھوپھی امینہ کی بیٹی تھی۔ وحی کے وسیلہ سے پھر آپ کو اور خاص حق جس سے آپ کے سب مرید محروم تھے عطا ہوا اور اس سے یہ مشکل بھی رفع دفع ہو گئی ۔ چنانچہ سورہ احزاب کے چھٹے رکوع کی آیت 50 میں یوں مرقوم ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ یعنی اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر تو دے چکا اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگاوے تجھ کو اللہ اور تیرے چچا 1* کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ اور کوئی عورت 2* جو مسلمان ہو کر بخشے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لے یہ نری ہے تجھی کو سوائے سب مسلمانوں کے۔

1* مفسر حسین صاف فرماتے ہیں کہ بنت عمتک میں زینب کی طرف اشارہ ہے چنانچہ تفسیر حسینی کی دوسری جلد کے صفحہ 204 میں اس کے بیان میں یوں مرقوم ہے کہ دختران عمہائے تو از اولاد عبدالمطلب ۔ یہ آیت آنحضرت کے زینب سے نکاح کرنیکے وقت یعنی 626ء سے بعد کی ہے اور آنحضرت کے کردہ کو دائرہ جواز میں لاتی ہے اور لونڈی کا حوالہ بنی قریضہ کے قتل کی طرف اشارہ کرات ہے جو کہ 627ء میں واقع ہوا تھا جبکہ آنحضرت نے اپنی پہلے پہل اسیر کردہ عورتوں میں سے ریحانہ کو اپنے حرمین شریفین میں داخل کیا تھا۔

2* سورۃ النساء میں جو دوسرے مسلمانوں کے لئے حدود اور قواعد مقرر کئے گئے ہیں ان سے اس کے وسیلہ سے آنحضرت معذور رکھے جاتے ہیں۔

چونکہ زینب اور اس کا بھائی آنحضرت کی اس کارروائی میں رضامند نہ تھے اس لئے سورہ احزاب کے رکوع 5 کی آیت 36 میں خدا کی طرف سے آپ نے ان کو یوں ملامت کی وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا یعنی اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا 1* نہ عورت کا جب ٹھہراوے اللہ اور اس کا رسول کچھ کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جو کوئی بے حکم چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے سو راہ بھولا صریح چوک کر۔

اس آیت سے معاملہ طے ہو گیا اور زینب کے ساتھ آنحضرت کا نکاح جائز قرار دیا گیا۔ اسی سورۃ میں ایک آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کو اس وقت موجودہ نو بیویوں کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا لیکن ساتھ ہی آپ کو یہ اجازت ملی کہ جس قدر عورتیں رکھنی چاہیں حرموں کے طور پر رکھ لیں چنانچہ اس امر کے جواز کے باب میں قرآن میں یہ فقرہ مندرج ہے کہ ما ملکت ایمینک 2* یعنی جو مال ہو تیرے ہاتھ کا اس وقت اس بات کے طول طویل بیان کی کچھ ضرورت نہیں۔ سورۃ النساء جو کہ 4 یا 5 ہجری میں نازل ہوئی تھی اس کی تیسری آیت میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ حرموں کے علاوہ ایک ہی وقت چار سے زیادہ بیویاں نہ رکھیں اور جس آیت میں آنحضرت کے لئے نو کی حد ٹھہرائی گئی ہے وہ اسکے بعد نازل ہوئی تھی۔

1* مفسر بالاتفاق اس مرد و عورت سے زید و زینب مراد لیتے ہیں چنانچہ ترمذی اور معالم اور دوسری تفاسیر میں مروی ہے کہ یہ آیت زینب کے حق میں نازل ہوئی۔ دیکھو خلاصتہ التفاسیر جلد سوم صفحہ 559 تفسیر ابن عباس کے 484 صفحہ پر مرقوم ہے کہ لمومنٍ زید لامومنۃ زینب ۔ مفسر حسین بھی کہتا ہے کہ اس سے زینب ہی مراد ہے ۔ دیکھو تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ 201 ومن یعص اللہ ورسولہ پر حسین بہت زور دیتا ہے اور قرآن و سنت کو متساوی الحیثیت قرار دیکر یوں لکھتا ہے کہ ہر کہ عاصی شود مخالفت کند خدا تعالیٰ و رسول اللہ اور یا از حکم کتاب و سنت بگذرو۔

2* کہتے ہیں کہ یہ آیت پہلی آیات سے منسوخ ہو گئی ہے ۔ اس آیت پر سیل صاحب کا حاشیہ اور خلاصتہ التفاسیر جلد سوم کے 578 صفحہ کو ملاحظہ فرمائے خلاصتہ التفاسیر کے بیان کی تصدیق کے باب میں کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی لہذا بیان تنسیخ مشکوک اور غیر معتبر ہے ۔

پھر کچھ مدت بعد قریباً 8 یا 9 ہجری میں آنحضرت کے خانگی معاملات کے متعلق حضرت جبرائیل یعنی وحی آسمانی لپکتے ہوئے آئے۔ اس وقت سے کچھ عرصہ پیشتر ملک مصر کے رومی حاکم نے ایک نہایت خوبصورت وحسین ونوخیز لونڈی آپ کی نذر کی تھی۔ وہ آنحضرت کے نخل مراد سے باردار ہوئی اور ایک لڑکا پیدا ہوا اور آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا۔ اب آنحضرت کی دیگر زوجات مطہرات کےدلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ آنحضرت کی ایک کرتوت آپ کی زوجات میں سے حفصہ کو معلوم تھی اور آپ نے اس کو یہ راز پوشیدہ رکھنے کی سخت تاکید کی تھی لیکن اس نے عائشہ کو بھی بتادیا اس سے آپ سخت ناراض ہوگئے۔ خانگی تنازعہ بڑھتا گیا اور آپ کو مناکحت کے باب میں الہیٰ منظوری اور رضامندی کی ضرورت پڑی اور آپ کی کارروائیوں کو دائرہ مباحات میں لانے اور جو آپ نے اپنی 1* زوجات مطہرات کے آرام وآسائش کی بابت قسمیہ عہد کیا ہوا تھا اس سے مخلصی بخشنے کے لئے جبرائیل پیغام لائے چنانچہ سورہ تحریم کی پہلی آیتوں میں یوں مندرج ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌقَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ یعنی اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا مہربان۔ ٹھہرادیا ہے اللہ نے تم کو کھولڈالنا تمہاری قسموں کا اور اللہ صاحب ہے تمہارا اور وہی ہے سب جانتا حکمت والا۔

1* Muir's life of Muhammad کی چوتھی جلد کے 160 سے 163 صفحہ تک اس کا مفصل بیان مندرج ہے۔ نیز تفسیر حسینی جلد دوم کا 411 صفحہ ملاحظہ فرمائیے۔

5 ہجری میں قبیلہ قریش کے لوگوں نے پھر بڑے زور وشور سے چڑھائی کی اور شہر مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔ جس قدر محاصرین نے زور دیا اسی قدر بعض مسلمان بیدل ہوگئے اور ہمت ہار بیٹھے چنانچہ سورہ احزاب کی 10 اور 11 آیت میں اس محاصرہ کا بیان اور اسکے خطرات کا نقشہ کھینچ کر یوں پیش کیا گیا ہے إِذْ جَاؤُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتْ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَاهُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا یعنی جب آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب ڈگنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر کئی کئی اٹکلیں۔ وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور جھڑجھڑانا۔

اب حضرت بالکل عاجزو بے بس معلوم ہوتے تھے اور جولوگ شہر کی حفاظت کے لئے باہر نکل کر قریش کو شہر میں داخل ہونے سے روک رہے تھے ان کے دلوں میں آپکی موعودہ آسمانی مدد کی نسبت شکوک پیدا ہوگئے اور وہ کام چھوڑ کر شہر میں آجانے پر آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ اسی سورة کی 12،13،14اور 17 آیات میں ان کو یوں سرزنش کی گئی ہے وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًاوَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًاقُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ یعنی اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اسکے رسول نے سب فریب تھا اور کہنے لگے ایک ان میں سے اے یثرب والو تم کو ٹھکانا نہیں سو پھر چلو۔ اور رخصت مانگنے لگے ان میں ایک لوگ نبی سے اور کہنے لگے ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے۔ غرض اور نہیں مگر بھاگنا توکہہ کام نہ آویگا تم کو بھاگنا۔

قریش نے یکایک اچانک محاصرہ سے ہاتھ اٹھالیا اور آنحضرت نے مسلمانوں کو حوصلہ بڑھانیکے لئے خدا کی طرف سے ایک اور پیغام جیسا کہ سورہ احزاب کے تیسرے رکوع میں مرقوم یوں مرقوم ہے وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا یعنی اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں بھرے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی۔

اب ایک سالار قوم کی حیثیت میں آنحضرت کی طاقت قائم ہوگئی اور آپ نے اپنی قومیت اور بالادستی کا دعویٰ کیا اور یہ حکم دیا کہ سب لوگ آپ کی عزت وتوقیر کریں اور بڑے ادب سے پیش آئیں۔ چنانچہ سورہ نور کے رکوع 9 کی آیت 63 میں لکھا ہے کہ لَا تَجْعَلُوا دُعَاء الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاء بَعْضِكُم بَعْضًا یعنی مت 1* ٹھہراؤ بلانا رسول کو اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک کو ایک۔

1* راڈویل صاحب کے قرآن 586 صفحہ کے حاشیہ نمبر 2 سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال آپکا راویوں سے اڑایا ہوا تھا۔

قریش نے جنگ بدر میں شکست کھائی فتح احد میں مسلمانوں کا تعاقب نہ کیا اور اب مدینہ سے محاصرہ میں بھی ناکامیاب رہے۔ بہت سی عربی اقوام نے ترغیب وتحریص پاکر یا شیر محمدی سے خوف زدہ ہوکر اسلام قبول کرلیا۔ یہودی لوگ کچھ قتل ہوئے کچھ جلاوطن کئے گئے اور جو باقی ماندہ تھے

ان کی طاقت وجمعیت ٹوٹ گئی پر اہل مکہ تاحال آنحضرت کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے اگرچہ آپ اپنے آپ کو فتح اور نبی آدم کو حاکم سمجھتے تھے۔ اس تمام عرصہ میں حضرت محمد کو قریش کے ہاتھ سے مصائب وتکالیف پہنچتی رہیں لیکن اب انتقام ومکافات کا دن قریب آگیا۔ اس وقت آنحضرت کی توجہ شہر مکہ کی طرف مبذول ہوئی کیونکہ جب تک آپ مکہ میں 1* مختار کل اور مطلق العنان نہ ہوتے تب تک آپ کو عرب کی شاہنشاہت کا خیال کرنا بیجا ہوس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اب آپ کو اپنے مکی مومنین سمیت مکہ سے نکلے ہوئے پورے چھ برس گذر چکے تھے اور ان میں اکثر بعض مکی مقامات کی زیارت کے بصد جان مشتاق تھے۔ علاوہ ازیں کچھ عرصہ سے حضرت محمد نے قبلہ کی بھی تبدیلی کرلی تھی۔ اب بجائے یروشلم کے مکہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے۔

1* سورۃ الحج کے نزول کی نسبت ٹھیک فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی بعض آیات ایام مکہ آخری دنوں سے تعلق رکھتی ہیں لیکن بعض اس وقت کی مدنی معلوم ہوتی ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کے دل میں جمع کعبہ کے خیالات کس قدر زور مارہے تھے۔ تاحال کعبہ پر اہل مکہ ہی قابض تھے ان کو کعبہ کی بے حرمتی کے باعث دھمکایا اور 28 آیت کے مطابق آپ کو حکم ہوا کہ لوگوں کو حج کے لئے پکاریں چنانچہ لکھا ہے کہ اذن فی الناس بالحج یا توک رجاۃ وعلیٰ کل ضامر یا تین کل حج عمیق یعنی پکار لوگوں میں حج کے واسطے کہ آویں تیری طرف پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلے آتے راہوں دور سے۔

جو مسلمان مدینہ میں جابسے تھے ان کی نظر میں تاحال کعبہ کی بہت کچھ تعظیم وتکریم تھی اگرچہ عرصہ چھ سال سے وہ کعبہ کی زیارت سے محروم تھے تاہم وہ ہر روز نماز کے وقت کعبہ کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوتے تھے۔ ان کے دلوں میں حرم کعبہ میں داخل ہونے اور اس کا طواف کرنیکا شوق ازبس اشتداد پر تھا۔ اب عین وقت پر آنحضرت نے ایک خواب دیکھا جس میں اپنے تئیں تمام مومنین سمیت فرائض حج کو ادا کرتے ہوئے پایا۔ اس خواب کے وسیلہ سے راستہ کھل گیا اور چونکہ ماہ محرم الحرام (جس میں عمرہ ہوتا ہے) نزدیک تھا اسلئے مسلمانوں کی ایک متعدد جماعت 1* مکہ کی طرف روانہ ہوئی۔ قریش نے ان کو شہر میں داخل ہونے سے 2* روکا اور دونوں طرف سے ایلچی آنے جانے لگے۔ مقام حدیبہ میں مسلمانوں کی حالت کسی قدر خطرناک تھی۔ حضرت محمد نے سب مومنین کو ایک درخت کے سایہ میں اپنے سامنے جمع کیا اور ہر ایک سے یہ عہد لیا کہ خواہ اس کو اپنی جان بھی دینی پڑے وہ آپکا ساتھ نہیں چھوڑیگا۔ سبھوں نے بخوشی تمام قسمیہ عہد کیا اور یہ عہد عہد الشجر کے نام سے نامزد ہوا۔ زمانہ بعد میں اس عہد کی طرف بسا اوقات اشارہ کیا گیا اور اس کی بہت کچھ قدرومنزلت بھی کی گئی ہے۔ اس امر کی توضیح کے لئے کہ آنحضرت کے مومنین نے اپنے آپ کو آپ پر نثار کر چھوڑا تھا اور ان کے درمیان ہمدردی بدرجہ کمال تھی مذکورہ بالا عہد نہایت عمدہ اور صریح دلیل ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ بہت خوش ہوا چنانچہ سورہ فتح کے تیسرے رکوع کی پہلی آیت میں یوں مندرج ہے لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ یعنی اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب ہاتھ 3* ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے۔

1* Muir's Life of Muhammad جلد چہارم صفحہ 24 تا 25۔

2* بعض علماء کا خیال ہے کہ سورہ بقرہ کے رکوع 14 کی دوسری آیت ترجمہ: اور اس سے ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ پڑھے وہاں نام اس کا۔ اور دوڑا ان کے اجاڑنے کو۔ ایسوں کو نہیں پہنچتا ہے کہ بیٹھیں ان میں مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اگر یہ خیال درست ہو تو یہ آیت سورہ بقرہ سے بعد کی ہے اور پیچھے اس میں داخل کردی گئی ہے۔ اس امر میں مفسرین کا اتفاق نہیں۔ حسین کہتا ہے کہ اس سے یروشلم کی ہیکل کی بربادی مراد ہے جو تائیتس رومی حاکم کے ہاتھ سے وقوع میں آئی تھی اور لفظ مساجد (جو کہ جمع ہے عزت وتعظیم کی راہ سے مسجد (واحد) کی جگہ استعمال کیا گیا ہے دیکھو تفسیر حسینی صفحہ 19۔ خلاصتہ التفاسیر کے صفحہ 64 پر مختلف بیان پائے جاتے ہیں اور منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس میں تائیتس کی طرف جو عیسائی کہلاتا تھا اشارہ ہے لیکن دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہی مزاحمت مراد ہے جو قریش نے کی اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا۔ چنانچہ مفصل طور پر مندرج ہے کہ اے قریش تم نے مکہ معظمہ کی مسجد سے اللہ کے پیغمبر کو نکال دیا اور مومنین کو عبادت وذکر خدا سے روکا اور اس سبب سے کہ عبادت وذکر کعبہ میں موقوف رہا تم اس کے ویران اور خراب کرنے میں ساعی ٹھہرے۔

3* اس عہد کا نام بیعۃ الرضا لکھا ہے۔

تاہم باہمی صلاح ومشورہ کا نتیجہ یہ تھا کہ قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی مطلق اجازت نہ دی اور مفصلہ ذیل شرائط پر اکتفا ہوئی:

(1) دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی اور طرفین میں سے کوئی فریق فریق ثانی پر حملہ آور نہ ہوگا اور کامل اتحاد ودوستی قائم رکھی جائیگی۔ (2) اگر کوئی شخص قریش سے حضرت محمد کے ساتھ ملنا چاہے یا کوئی حضرت محمد کو چھوڑ کر قریش میں شامل ہونا چاہے تو اس کے لئے کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ (3) اگر کوئی شخص اپنی قوم کے 1* سردار کی اجازت کے بغیر حضرت محمد سے جاملے تو حضرت محمد نے اس کو واپس بھیج دینگے اور اسی طرح اگر کوئی مسلمان قریش میں واپس آجائے تو قریش اس کو حضرت محمد کے پاس واپس بھیجینگی بشرطیکہ حضرت محمد اپنے مومنین

سمیت واپس چلے جاویں اور اس سال شہر مکہ میں داخل نہ ہوں ۔ نیز قریش نے آنحضرت سے اقرار کیا کہ آئندہ ہم آپ کو مومنین سمیت شہر مکہ میں تین یوم تک جبکہ باہر چلے جائینگے داخل ہونے سے نہیں روکنگے بشرطیکہ کسی کے پاس سوائے تلوار کے اور کوئی ہتھیار نہ ہو اور وہ تلوار 2* بھی میان میں ہو۔

1* اس شرط میں ذکور واناث کوئی تشخیص نہیں بلکہ یہ شرط مذکر ومونث دونوں پر یکساں عائد ہوتی ہے لیکن جب آنحضرت مکہ سے مدینہ کی طرف واپس چلے آئے تو اس کے تھوڑی دیر بعد ایک قریشی جوان آپ سے آملا اور قریش کے دعویٰ کرنے پر آپ نے اسے واپس دیدیا پھر ایک عورت اسی طرح آگئی اور اس کے بھائی آپ کی خدمت میں مدینہ پہنچے اور آپ سے درخواست کی کہ اسے ان کے حوالہ کردیں۔ آنحضرت نے خدا کا حکم پیش کیا اور عورت کو ان کے حوالے کرنے سے صاف انکار کیا۔ چنانچہ سورہ ممتحنہ کی 10 آیت میں مرقوم ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ یعنی اے ایمان والو جب آویں تم پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان کا ایمان پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو نہ پھیرو ان کو کافروں کی طرف یہ عورتیں حلال ان مردوں کو نہ وہ حلال ان عورتوں کو۔ فقرہ فَامْتَحِنُوهُنَّ کی نسبت مفسرین کا بیان ہے کہ ان عورتوں کا اس امر میں امتحان کرنیکا حکم ہوا تھا کہ آیا وہ فی الحقیقت اسلام قبول کرنیکی غرض سے وطن چھوڑ کر آئی ہیں یا کسی اور غرض سے کیونکہ صرف اسی حالت میں کہ وہ اسلام کی خاطر آئی ہوں آنحضرت کو انہیں اپنے پاس رکھنا جائیز تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی آپ اپنے منظور کردہ عہدوپیمان کی خلاف ورزی کررہے تھے اس بیان سے آنحضرت کی ذاتی خوبی اور قرآن کے متدارج نزول کے صفحہ 154 ۔ فوائد کی بخوبی تشریح ہوتی ہے۔

2* Muir's Life of Muhammad جلد چہارم صفحہ 34

اس عہدوپیمان سے پہلے تو مسلمان بہت مایوس ہوگئے اور خیال کرنے لگے کہ مکہ آنے میں کچھ فائدہ نہ ہوا 1* ۔ لیکن حضرت محمد نے فوراً خدا کی طرف سے وحی کا پیغام سنایا اور سمجھایا کہ عہد حدیبہ سے ہم کو بہت فائدہ ہوا ہے جو مسلمان اس کے برعکس خیال کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں ۔ چنانچہ آپ نے اونٹ پر کھڑے ہوکر یوں فرمایا کہ انا افتحا الک فتحا مبنا یعنی ہم نے پہلے فیصلہ کردیا تیرے واسطے صریح فیصلہ (سورہ فتح پہلی آیت)۔

قریش نے آنحضرت سے ایسا سلوک کرنے سے گویا آپ کو ملکی رتبہ کے لحاظ سے اپنا ہمسر تسلیم کیا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب لڑائی موقوف ہوگئی اور لوگ امن وچین کی حالت میں ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے تو اثنائے گفتگو میں جن جن سلیم الطبع اشخاص نے اسلام کے اوصاف نے اور اسکی خوبیوں کو دیکھا فی الفور مسلمان ہوگئے ۔ فی الواقعہ اس وقت سے اسلام کی ترقی نہایت سریع ہوگئی۔ جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا ان کو سخت لعنت ملامت کی گئی اورانہیں اس بات سے آگاہ کیا گیا کہ اگروہ ایمان نہیں لائینگے تو آتش دوزخ ان کی خاطر بھڑک رہی ہے چنانچہ سورہ فتح کے پہلے رکوع میں میں مرقوم ہے اعد لھم جھنم یعنی تیار کی ان کے واسطے دوزخ ۔ اور بالمقابل اس کے جنہوں نے آنحضرت سے درخت تلے عہد کیا تھا ان کو امن وچین فتح قریب اور بہت سے مال غنیمت کا وعدہ عنایت ہوا چنانچہ تیسرے رکوع کی پہلی دوسری آیات میں اس طرح مندرج ہے لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً یعنی اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخواست کے نیچے ۔ پھر جانا جو ان کے جی میں تھا۔ پھر اتارا ان پر چین اور انعام دی ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں ۔ مومنین آنحضرت کی مذکورہ بالا خواب کا خیال کرکے تعجب کرنے لگے کہ اس کے پورا ہونے کی کیا وجہ ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے پورا ہونیکا سال نہیں بتلایا گیا تھا اور ساتھ ہی ایک آسمانی پیغام پیش کرکے خواب کے پورا ہونیکی نسبت مومنین کی تسلی کردی چنانچہ سورہ فتح کے چوتھے رکوع کی آیت 27،28 میں یوں مرقوم ہے لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُؤُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًاهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا یعنی اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول کو خواب تحقیق تم داخل ہورہوگے ادب والی مسجد میں اگر اللہ نے چاہا چین سے ۔ بال مونڈتے اپنے سرونکے اور کترتے بے خطرہ ۔ پھر جانا جو تم نہیں جانتے ۔ پھر ٹھہرادی اس سے ایک فتح نزدیک۔ وہ ہے جس نے بھیجا پیغمبر اپنے کو ساتھ ہدایت کے اور دین حق کے اوپر رکھے اس کو ہر دین سے اور بس ہے اللہ ثابت کرنے والا۔

1* مذکور ہے کہ حضرت محمد کو اہل مکہ پر اعتماد نہ تھا اور آپ نے یہ اجازت دی کہ اگروہ عہدوپیمان حدیبہ کی شرائط پر قائم نہ رہیں تو بے شک تلوار سے کام لیا جائے۔ چنانچہ سورہ بقرہ کے 24 رکوع میں اس کا بیان مفصل طور پر مندرج ہے ۔ اگر یہ آیت اسی وقت کی نہیں ہیں تو ضرور بعد میں یہاں داخل کی گئی ہیں (دیکھو تفسیر حسینی جلد اول صفحہ 36)۔

جیسا اوپر بیان ہوا ہے کہ اگرچہ حج ملتوی ہوگیا پر مسلمان فتح مند ہوئے ۔ اور چونکہ ہدایت ورہبری آنحضرت کو تفویض کی گئی اس لئے وہ اب صبر سے انتظار کرنے لگے کہ یہ ساری باتیں کب

پوری ہوتی ہیں۔ اسلام کا جاہ وجلال بہت بڑھنے والا تھا اور دین عیسیوی ومذہب یہود کو اس سے ہمسری کا دعویٰ نہ رہا۔ دین اسلام ہی تمام دینوں سے افضل اور نجات کا وسیلہ قرار پایا لہذا مومنین کے لئے اب یہ بات کچھ مشکل نہ تھی کہ اپنی آرزوں کے پورا کرنیکے لئے ایک سال تک اور انتظار کریں۔ان کے لئے یہ جاننا کافی تھا کہ خدا کی مرضی یوں ہی ہے۔ سورہ فتح اول سے آخر تک قابل غور اورآنحضرت کی ضرورت کے لئے اس کا نزول عین حسب موقع معلوم ہوتا ہے۔

صرف اسلام ہی کے حقیقی اور سچے دین ہونے کا یہ خاص دعویٰ سورہ آل عمران ابتدائی زمانہ کی مدنی سورۃ ہی کے دوسرے رکوع کی آیت 19 میں بھی بیان ہوچکا ہے۔ چنانچہ لکھاہے کہ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّهِ الإِسْلاَمُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُواْ الْكِتَابَ إِلاَّ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ یعنی دین جو ہے اللہ کے ہاں سویہی مسلمانی حکم برداری اور مخالفت نہیں کتاب والے مگر جب ان کو معلوم ہوچکا آپس کی ضد سے۔

1* چنانچہ سورہ آل عمران کے رکوع 9 میں یوں مندرج ہے یعنی جو کوئی چاہے سوائے اسلام کے دین سو اس سے ہر گز نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خراب ہے۔ تفسیر حسینی کی جلد اول کے 75 صفحہ پر یوں لکھاہے کہ ایں آیت تہدید جمعی است کہ طالب غیر دین اسلام اندودر شان آنہاکہ بعد وصول بشرف اسلام دست ازدامن دین متین بازو دارند مرتد شوند۔ پھر خلاصتہ التفاسیر کی جلد اول کے 27 صفحہ پر یوں مرقوم ہے جو سوائے دین اسلام کے کوئی اور دین اختیار کرے۔ یہودیت یا نصرانیت یا کچھ ہو کو منظور ومقبول نہ ہوگا اور وہ اپنی سعی اور کوشش میں محروم ومخدودن رہیگا۔ اس آیت نے تمام دینوں کو منسوخ کردیا جو گذر گئے یا پیدا کئے جائیں۔ اس مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمام بنی آدم کے لئے اسلام کی اطاعت وانقیاد کا وجوب ساکنان مدینہ کے سامنے اب صاف طور سے پیش کیا گیا تھا۔

تفسیروں 1* میں مذکورہ بالاآیت کا مطلب یوں بیان کیا جاتا ہے کہ صرف اسلام ہی سچا دین ہے نہ کہ یہودیت ونصرانیت۔ اور یہودو نصاریٰ نے اسلام کو اس وقت رد کیا جبکہ قرآن نازل ہوا اور وہ بھی انہوں نے یا توازراہ حسد کیا یا اسلئے کہ ان کو فوق حاصل رہے۔

جب آنحضرت مکہ سے لوٹ کرمدینہ میں آئے اس وقت سے آپکی طاقت بڑھتی گئی اور اس ترقی کے خیال سے سرشار ہو کر اپنے خواب کی تاویل کے میدان کو بہت وسیع کرنے لگے چنانچہ سورۃ الاعراف کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت میں یوں مرقوم ہے قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا یعنی توکہہ اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔

1* تفسیر حسینی جلد اول صفحہ 62 پر یوں مرقوم ہے کہ دین پسندیدہ نزدیک خدا دین اسلام است نہ یہودیت ونصرانیت واختلاف نہ کروند آنکہ دین اسلام حق است ومحمد رسول پیغمبر بحق آنا نکہ دادہ اند بدیشاں کتاب یعنی توریت وانجیل مگر پس ازانکہ آمد بدیشاں وانشے بحقیقت امر یعنی قرآن بدیشاں فرود آمد۔ پھر خلاصتہ التفاسیر جلد اول کے 241 صفحہ میں مندرج ہے کہ سوائے اسلام کے اور کوئی طریقہ مقبول نہیں جیسا فرمایا من بیتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ اسلام کے سو دوسرا دین جو اختیار کرے نہ مانا جائیگا۔

جب آنحضرت مکہ سے لوٹ کرمدینہ میں آئے اس وقت سے آپ کی طاقت بڑھتی گئی اور اس ترقی کے خیال سے سرشار ہوکر اپنے خواب کی تاویل کے میدان کو بہت وسیع کرنے لگے۔ چنانچہ سورۃ الاعراف کے رکوع 20 کی پہلی آیت میں یوں مرقوم ہے قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا یعنی توکہہ اے لوگوں میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔

مندرجہ بالاآیت سے موثر ہوکر 27 یا 628ء میں آپ نے مختلف ممالک میں مسیحی فرمانرواؤں اور ہیراقلیس (Heraclius)شاہ قسطنطنیہ اور شاہ ایران وغیرہ کے پاس پیغام بھیجے نولدیکی صاحب فرماتے ہیں کہ ان خطوط میں آپ نے مسیحی حاکموں کو اسلام کی طرف بلانے اور اپنی نبوت وصداقت رسالت کا اظہار کرنیکی غرض سے ذیل کی آیات تحریر فرمائیں یعنی توکہہ اے کتاب والو آؤ ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے درمیان کی بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کو اور شریک نہ ٹھہراویں اس کا کسی چیز کو اور نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب سوائے اللہ کے۔ پھر اگروے قبول نہ رکھیں توکہو شاہد ہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔ اے کتاب والو کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم 1* پر اور توریت اور انجیل تو اتریں اس کے بعد کیا تم کو عقل نہیں۔ سنتے ہو تم لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو خبر ہے اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو خبر نہیں ؟ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا ایک طرف کا حکم بردار اور نہ تھا شرک والا (سورۂآل عمران رکوع 7) یوں بھی کہتے ہیں کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب حبزان کے عیسائی اپنے بشپ کے ساتھ حضرت محمد کی ملاقات کے لئے آئے تھے۔ اس ملاقات کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا 2*۔

1* کہ آیا ابراہیم یہودی تھا یا نصرانی۔

2* Muir's Life of Muhammad جلد دوم صفحہ 299 سے 302 تک۔

اب چونکہ حضرت محمد قریش کے حملات سے محفوظ اور بالکل بے خوف تھے اسلئے بے تحاشا مختلف بدوی اقوام کو لوٹ مار کر گذارہ کرتے رہے یہاں تک کہ عمرہ یعنی حج صغرا کا وقت آگیا اور 629ء کے موسم بہار میں آپ نے قریش کی منظوری سے استفادہ حاصل کیا اور قریباً دو ہزار مومنین کو ساتھ لے کر مکہ جا پہنچے ۔ قریش کے لوگ شہر سے باہر آگئے اور مسلمان اپنے آلات حرب باہر رکھ کر سات سال بعد شہر میں داخل ہوئے جب آنحضرت کعبہ میں پہنچے تو فرمانے لگے کہ اے خدا مکہ کے لوگوں کے دلوں میں آج میرے رعب کو مسلط کردے ۔ پھر آپ نے رسوم حج مثلاً حجر اسود کو بوسہ دینے کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرنے اور کوہ صفاومردہ کے درمیان دوڑنے کو عربی بت پرستوں کے دستور کے مطابق پورا کیا۔ جو جانور آپ قربانی کی غرض سے لے گئے تھے ان کو ذبح کیا اور اس حج کی رسومات سے فارغ ہوئے ۔ جب آپ نے شہر مکہ اور خانہ کعبہ کی اس قدر تعظیم وتکریم کی تو اہل مکہ کے دل آپ کی جانب کسی قدر مائل ہوگئے اور آپ کے فوجی جاہ وجلال کو دیکھ کر قریش کے دو سپہ سالار آپس آملے ۔ پھر آپ نے میمونہ سے نکاح کرکے قریش سے اتحاد بڑھایا۔ اس مقام پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسی سال کے اندر اندر میمونہ چوتھی عورت تھی جو آپ کے حرمین شریفین میں داخل ہوئی۔ آخر کار آنحضرت پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اب آپ کو ہر طرح سے اس قدر قوت وطاقت حاصل ہوئی کہ اس سے پیشتر کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

اب حضرت محمد نے معلوم کیا کہ ساکنان مکہ جنگ وجدل سے تنگ آگئے ہیں۔ قریش کے اکثر سپہ سالار گئے اور باقی ماندوں میں سے بہت آنحضرت سے آملے۔ تمام عرب میں آپ کی طاقت روز افزوں ہورہی تھی اور اب آپ کے لئے ممکن تھا کہ استقلال وثابت قدمی سے ایک سخت حملہ کرکے مکہ کو فتح کرلیں اور قریش کی باقیماندہ مخالفت کو ہمیشہ کے لئے نیست ونابود کردیں۔ سورہ رعد سب سے آخری مکی سورۃ ہے لیکن اس کی 41 آیت غالباً بعد میں داخل کی گئی ہے اور اسی مذکورہ بالاموقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے چنانچ لکھاہے کہ أَوَلَمْ يَرَوْاْ أَنَّا نَأْتِي الأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللّهُ يَحْكُمُ لاَ مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ یعنی کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹاتے اس کو کناروں سے اور اللہ حکم کرتاہے کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم ۔ ابن عباس 1* اور بہت سے دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل مکہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جو کہ ایسے اندھے اور کوتہ اندیش تھے کہ ان کو اہل اسلام کا آناً فاناً بہت سے عربی ممالک پر مسلط ومتصرف ہوتے جانا گویا نظر ہی نہیں آتا تھا۔ مگر مفسر حسین 2* فرماتے ہیں کہ اس میں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جن کی اراضیات قلعے اور مقبوضات اہل اسلام کے قبضہ میں آتے جاتے تھے ۔

1* تفیسر ابن عباس صفحہ 289 2* تفسیر حسینی جلد اول صفحہ 343۔

جب آنحضرت نے فتح مکہ کے لئے حملہ کیا تو جن لوگوں نے اس میں شامل ہونے میں بے پرواہی ظاہر کی ان کو سورہ توبہ کے دوسرے رکوع میں یوں عتاب ہوا کہ أَلاَ تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُواْ أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّواْ بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَؤُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤُمِنِينَقَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ یعنی کیوں نہ لڑوایسے لوگوں سے کہ توڑیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیویں اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے ۔ کیا ان سے ڈرتے ہو؟ سو اللہ کا ڈر چاہئیے تم کو زیادہ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ لڑو ان سے تا عذاب کرے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں اور سوا کرے اور تم کو ان پر غالب کرے ۔

جو لوگ اس حملہ میں سر گرمی سے شریک ہوئے اور فتح مکہ کے لئے خوب جان توڑ کر لڑے ان کو بہت تحسین وآفرین کہی اور جنہوں نے روپیہ دیا اور فتح مکہ کے بعد ترقی اسلام اور آنحضرت کی طاقت کے اظہار کے لئے لڑے ان کے مقابلہ میں اعلیٰ درجہ نصیب ہوا چنانچہ سورح حدید کی آیت نمبر 10 میں مندرج ہے مَّنْ أَنفَقَ مِن 1* قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُوْلَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا یعنی جس نے خرچ کیا فتح سے پہلے اور لڑائی کی ۔ ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو خرچ کریں اس سے پیچھے اور لڑیں ۔

1* نولدیکی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت فتح بدر کی طرف اشارہ کرتی ہے لیکن سوائے معالم کے جو اس آیت کو عہد حدیبہ کی طرف منسوب کرتاہے تمام مفسرین جن کے بیانات کو ہم نے دیکھا ہے اس امر پر متفق ہیں کہ یہ آیت فتح مکہ کا بیان کرتی ہے ۔ جو لوگ اس معرکہ میں شامل ہوئے ان کی فضیلت وفوق کے بیان میں خلاصتہ التفاسیر جلد چہارم کے 364 صفحہ پر یوں مرقوم ہے کہ وہ صحابی جو فتح مکہ سے پہلے مومن ومعین ہوئے دوسرے تمام مومنین بلکہ خیار امت سے افضل ہیں۔

اب آنحضرت نے چند اور عربی اقوام پر حملہ کرکے ان کو اپنا مطیع ومنقاد بنایا اور بعد ازاں سلطنت روم کے جنوبی حصہ پر چڑھائی کی لیکن جنگ متہ میں مسلمانوں نے سخت شکست کھائی اور آنحضرت نے معلوم کیا کہ آپ کا حملہ قبل از وقت تھا ابھی وہ وقت نہ آیا تھا کہ آپ غیر ممالک کی

تسخیر میں مشغول ہوں۔ پیشتر اس کے کہ آپ غیر ممالک کو تاخت وتاراج کریں تمام عرب میں قرار واقعی تسلط بٹھانا ازحد ضروری تھا۔ چنانچہ اس وقت حضرت جبرائیل یہ پیغام لائے إِذَا جَاء نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا یعنی جب پہنچ چکی مدد خدا کی اور فیصلہ اور تونے دیکھے لوگ داخل ہوتے اللہ کے دین میں فوج فوج۔ اب پاکی بولی اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشو اس سے بیشک وہ معاف کرنے والاہے (سورہ النصر)

جب آپکی اس طرح ہمت بندھائی گئی تو آپ کے لئے اب شروع کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت کے ملکی مدبروں کی جماعت کی یگانگت اور آپ کے مومنین کی باہمی دینی پیوستگی اور یکجہتی اس امر کی متقضی تھی کہ آپ کا دارالحکومت بجائے مدینہ کے کوئی بہتر مقام ہو۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ آنحضرت کی دیرینہ اور دائمی آرزو کے مطابق اسلام ملک وملت کی ممزوجہ صورت کو غالب طور سے عرب میں اختیار کرنا چاہیے تو اس کا مرکز اور صدر مقام مکہ سے بہتر کوئی نہ تھا۔ عہدوپیمان حدیبیہ سے اب دوسال کا عرصہ گذرچکا تھا اور اسکی شرائط کے لحاظ سے دس سال تک مکی اور مدنی لوگوں کے درمیان کسی حالت میں لڑائی جائز نہ تھی بلکہ کامل صلح وسلامتی کا ہونا واجب تھا۔ پر یہ مشکل یوں رفع ہوگئی کہ ایک بدوی جو کہ آنحضرت کی تابعدار تھی اس پر ایک دوسری قوم نے جس کا قریش سے رسوخ تھا حملہ کیا۔ اس سے آنحضرت کو فساد برپا کرنیکا موقع مل گیا۔ چنانچہ آپ نے قریباً دس ہزار محاربین کے ساتھ مکہ پر فوج کشی کی۔ ابوسفیان نے جو کہ آنحضرت کا بڑا پرانا اور جانی دشمن تھا اب دیکھا کہ مقابلہ کرنا عبث ہے۔ چنانچہ اس نے تاب مقاومت نہ لاکر آنحضرت سے ملاقات 1* کی استدعا کی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوا اور اس وقت سے لے کر ہمیشہ بڑا پکا اور وفادار مسلمان رہا۔ چونکہ قریش میں ابوسفیان آباؤ اجداد کے لحاظ سے خاندانی امیر اور ذی رتبہ سرگروہ تھا اور قریش کی نظر میں بہت معزز ممتاز تھا اس لئے اس کے مسلمان ہونے سے ایک طور پر گویا آنحضرت نے مکہ فتح کرلیا۔ جونہی آنحضرت نے شہر میں قدم رکھا تھا کہ عنان توجہ کو خانہ کعبہ کی طرف اٹھایا اور وہاں پہنچ کر حجراسود کے سامنے جھکے اور اسکی تعظیم کی۔ پھر آپ کے حکم سے کعبہ کے تمام بت ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ بتوں کو توڑنے اور چکنا چور کرنیکے بعد آپ نے اپنا پورا اختیار جتانیکی غرض سے عثمان ابن طلحہ اور عباس کو خانہ کعبہ کے متعلق دوخاندانی اور موروثی عہدوں پر ممتاز فرمایا۔

1* Muir's Life of Muhammad جلد چہارم صفحہ 117و118 میں اس ملاقات کا مفصل بیان مندرج ہے۔

ایک شخص مکہ کے بازاروں میں منادی کرنے لگا کہ جو کوئی خدا کو اور قیامت کے دن کو مانتا ہے اپنے گھر میں کوئی بت نہ رکھے بلکہ اس کو توڑ کر چکنا چور کردے۔ اس پر بہت سے مکی اشخاص مضحکہ اڑانے لگے اور تمسخر واستہزا سے پیش آئے اس وجہ سے فوراً وحی کا نزول ہو اور آپ نے بیان فرمایا کہ طبعی طور پر سب انسان یکساں ہیں۔ خوف الہیٰ کے مقابلہ میں خدا کے نزدیک عالی خاندان اور اونچی ذات یا اعلیٰ مرتبہ کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ چنانچہ سورۃ الحجرات کے دوسرے رکوع میں قریش کو یوں سرزنش کی يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ یعنی اے آدمیو ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور ایک مادہ سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور گوتیں تا آپس کی پہچان ہو۔ مقرر عزت اللہ کے یہاں اس کو بڑی جس کو ادب بڑا۔

1 Muir's Life of Muhammad جلد چہارم صفحہ 29۔

چند اشخاص کے سوا جنکی نسبت یہ کہہ سکتےہیں کہ وہ واجب القتل 1* تھے آنحضرت نے بالعموم ساکنان مکہ کی جان بخشی کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلدی آپ نے لوگوں کے دلوں میں گھر کرلیا۔ مکہ میں مدینہ کی طرح منافقین نہ تھے چنانچہ آپ کے لئے یہ نہایت شان وشکوہ اور ظفرمندی کا دن تھا۔ اس سے آٹھ برس پیشتر ایک دن وہ بھی تھا کہ آپ مکہ سے ایک حقیر ومردود بھگوڑے کی حیثیت میں جان بچانیکے لئے چھپ کر بھاگ گئے تھے۔ اس وقت سے قریش نے بڑے استقلال سے مخالفت کی لیکن اب اس مخالفت کا خاتمہ ہوگیا۔ اب شہر مکہ آپ کے قبضہ میں تھا اور آپ کا فرمان ہی قانون تھا۔ صدہاسال سے کعبہ لات وعزیٰ اور بہت سے دیگر بتوں کی پرستش کا مقام تھا۔ اب آنحضرت وہاں تشریف لے گئے اور آپ کے فرمان سے ہمیشہ کے لئے کعبہ سے بت پرستی کی بیخکنی کی گئی۔ آپ نے اپنے اختیار سے کعبہ کی حفاظت کے لئے نئے عہدہ دار مقرر کئے اور اسے نئے دین کا مرکز قرار دیا۔ ایسی بڑی کامیابی اور فتح عظیم کے بعد اسلام کا آناً فاناً ترقی کرنا اور پھیلنا کچھ تعجب کی

بات نہیں ہے ۔آخر کار تمام باشندگان عرب ایسے متفق اور یکجہت ہوتے ہوئے معلوم ہونے لگے کہ اس سے پیشتر کبھی یہ حالت نہ ہوئی تھی اور انجام کار ان کو یہ بھی یقین ہونے لگا کہ آنحضرت ان کے سچے ہمدرد اور ملک کے خیر خواہ ہیں۔ اب عرب نے فرمانبروائی ملک اور دینی امور کی امتزاجی صورت اختیار کرکے وہ طاقت وقوت حاصل کی کہ جو دشمن اس سے پیشتر اس کو نیست ونابود کرنیکا دم مارتے تھے اب اس پر نظر کرکے لرزاں وترساں ہونے لگے ۔

1* قریباً دس آدمیوں کو آپ نے معاف کرنے سے انکار کیا اور ان میں چار قتل کئے گئے ان دس اشخاص میں سے ایک عبداللہ ابن سعد تھا جو کہ مدینہ میں آنحضرت کا منشی تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آنحضرت انسان کی پیدائش کی نسبت عبداللہ سے لکھوارہے تھے کہ " اورہم نے بنایا ہے آدمی چن لی مٹی سے پھر رکھا اس کو بوند کرایک جمے ٹھہراؤمیں پھر بنائی اس بوند سے پھٹکی پھر بنائی اس پھٹکی سے بوٹی پھر بنائی اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں ۔ اس موقعہ پر عبداللہ نے تعجب کی راہ سے کہا یعنی بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا۔ آنحضرت ان الفاظ سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ آسمان سے اسی طرح نازل ہوا ہے یہ بھی لکھ لو ۔ عبداللہ اس پر شک لایا اور کہنے لگا کہ اگر حضرت محمد سچ کہتے ہیں تو مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ تفسیر حسینی جلد دوم کے 80 صفحے پر یوں مرقوم ہے کہ حضرت رسالت پناہ گفت بنویس کلا ہمچنیں نازل شدہ عبداللہ درشک افتادہ گشت گفت اگر محمد صادقست پس بہ من ہم وحی فرودمے آید۔ آنحضرت اسباب سے نہایت طیش میں آگئے اور عبداللہ کی سرزنش کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ترجمہ : یعنی اس سے ظالم کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ ۔ یا کہے مجھ کو وحی آئی اور اس کو وحی کچھ نہیں آئی اور جو کہے میں اتارتا ہوں برابر اس کے جو اللہ نے اتارا رسورہ انعام رکوع 11 یہ آیت آخری زمانہ کی ایک مکی سورۃ میں پائی جاتی ہے لیکن جس واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ مدینہ میں وقوع میں آیا تھا اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ بعد میں یہ آیت سورہ انعام میں داخل کی گئی تھی اور اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ اس سے پہلی آیت دیگر کتب مقدسہ پر قرآن کی فضیلت اور اس کے فوق کا بیان کرتی ہے اس لئے اس آیت کی واسطے یہ مناسب مقام خیال کیا گیا۔ اس میں ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ ایک شخص پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت محمد کے مقابلہ میں ویسی ہی آیات پیش کرنیکا دعویدار ہے اور آنحضرت اس پر بھی لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر قرآن خدا کی طرف سے نہیں ہے تو اس کی مانند بنا کر لاؤ۔ کیا حضرت محمد کا یہ مطلب تھا کہ لوگ قرآن کی نظیر پیش کریں یا محض سوکھی دھمکی تھی۔

باوجودیکہ سخت مخالفین کی عداوت ودشمنی سے آنحضرت مطمئن ہوگئے تو بھی بعض مقامات کے لوگ تاحال آپ کی دشمنی پر بدستور جمے کھڑے تھے ۔ ہوازن فرقہ کے بدوی لوگ جن کو مکہ کے مفتوح ہونے سے ساکنان طائف کی طرح اپنی آزادی کی بربادی کا اندیشہ ہوگیا تھا ان پر آنحضرت نے دو ہفتہ کے اندر اندر فوج کشی کردی اور وادی حنین میں مقابلہ ہوا۔ پہلے تو مسلمانوں پر ہیبت چھا گئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگنے لگے۔ اور ایسی نازک حالت ہوگئی کہ آنحضرت نے اپنے چچا عباس سے فرمایا کہ جو میدان سے بھاگ گئے ہیں ان کے اے مدینہ کے رہنے والو ۔ اے عہد 1* الشجر کے وفادارو ۔ اے وہ لوگو جن کا بیان سورہ بقرہ 2* میں ہوا ہے وغیرہ جملوں سے پکارا ۔ اس سے بعض لوگ واپس آکر پھر لڑنے لگے۔ جب آپ نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر کنکروں اور سنگریزوں کی ایک مٹھی دشمنوں کی طرف پھینکی اور فرمایا کہ تم ہلاک ہوجاؤ تو لڑائی کا رنگ بدل گیا اور آخر کار دشمنوں نے شکست فاش کھائی اور معمول کے مطابق اس فتح کے متعلق وحی نازل ہوئی اور اس لڑائی میں پہلے مسلمانوں کا پسپا ہونے کا یہ سبب بیان کیا گیا کہ وہ دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی تعداد کی زیادتی پر بہت فخر وتکبر کرتے تھے چنانچہ سورہ توبہ کے چوتھے رکوع کی پہلی آیت میں یوں مذکور ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ یعنی مدد کرچکا ہے تم کو اللہ بہت میدانوں میں اور دن حنین کے جب اترائے تم اپنی بہتایت پر پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہوگئی تم پر زمین ساتھ اپنی فراخی کے پھر ہٹے تم پیٹھ دے کر ۔ مسلمانوں کے اس آخری فتح میں غالب آنے اور فتحیاب ہونے کا باعث یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کو آسمان سے مدد پہنچی۔

1* اسی عہد کا نام بیعۃ الرضا ہے ۔

2* مدینہ میں پہلے پہل یہی سورۃ نازل ہوئی تھی۔

چنانچہ اسی مذکورہ بالا رکوع کی دوسری آیت میں مرقوم ہے کہ ثُمَّ أَنَزلَ اللّهُ سَكِينَتَهُ1* عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُواْ یعنی پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور ماردی کافروں کو۔

1* اصل لفظ سَكِينَتَهُ ہے سورہ بقرہ کے 22 رکوع میں یہ لفظ استعمال ہوا جہاں سیموئیل بنی اسرائیل سے کہتا ہے کہ ترجمہ " یعنی نشان اس کی سلطنت کا یہ ہے کہ آوے تم کو صندوق جس میں ہے دلجمعی تمہارے رب کی طرف سے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا تعلق شکینہ یا خدا کے ظہور سے ہے جس کا عہد کے صندوق پر اظہار ہوتا تھا پس اس خوف وخطر کے وقت آنحضرت کے ساتھ خدا کی فرضی حضوری سے تسکین حاصل ہوتی تھی۔ جب آنحضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ مکہ سے بھاگ کر ایک غار میں چھپے اور پناہ گزیں ہوئے تھے اس وقت بھی خوف خطر میں آپ کی تسلی کی خاطر فانزل اللہ سَكِينَتَهُ کا نزول ہوا تھا۔ دیکھو سورہ توبہ چھٹا رکوع پھر چند اور واقعات کے تعلق میں یہی لفظ سورۃ الفتح کی 4،18،26 آیات میں استعمال ہوا ہے چنانچہ یوں لکھا ہے کہ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ

السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ ترجمہ: یعنی وہی ہے جس نے اتارا چین دل میں ایمان والوں کے اور بڑھے ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ۔ اللہ خوش ہو اایمان والوں سے جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے پھر جانا جو ان کے جی میں تھا پھر اتارا ان پر چین اور انعام دی ان کو ایک فتح نزدیک۔ جب رکھی منکروں نے اپنے دل میں پچ نادانی کی ضد پھر اتارا اللہ نے اپنی طرف کا چین اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر۔ یہ لفظ صرف مدنی سورتوں میں پایا جاتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے اس خیال کو یہودیوں سے اخذ کیا ہے۔ دیکھو Geiger’s Judaism and Islam صفحہ 39۔

پھر آنحضرت نے طائف کا محاصرہ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں باشندگان نے اپنے آپ کو آپ کے حوالہ کردیا اور اطاعت قبول کرلی۔ اب آنحضرت نے ساکنانِ مکہ اور بدوی اقوام کے سرکردہ اشخاص اور سرداروں کو بیدریغ بڑے بڑے قیمتی تحائف اور نذرانے عنایت کئے جس پر آپ کے پرانے مومنین رنجیدہ خاطر ہو کر کڑکڑانے لگے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ کچھ مدت بعد اس ذرا سی بات کے لئے بھی وحی نازل ہوا چنانچہ سورہ توبہ کے 7 رکوع آیت 58تا 59میں مندرج ہے وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُواْ مِنْهَا رَضُواْ وَإِن لَّمْ يُعْطَوْاْ مِنهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَوَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوْاْ مَا آتَاهُمُ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُواْ حَسْبُنَا اللّهُ سَيُؤْتِينَا اللّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللّهِ رَاغِبُونَإِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاء وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ1* قُلُوبُهُمْ یعنی اور بعض ان میں ہیں کہ کچھ تجھ کو طعنہ دیتے ہیں زکواۃ بانٹنے میں سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور اگر ان کو نہ ملے تب ہی وہ ناخوش ہوجاویں اور کیا خوب تھا اگروہ راضی ہوتے جو دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے بس ہے ہم کو اللہ۔ دے رہیگا ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول۔ ہم کو اللہ ہی چاہئے زکواۃ جو ہے سو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور اس کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پر جانا ہے۔

1* وَالْمُؤَلَّفَةِ القلوب کے تمام مفسرین بالا اتفاق یہی بیان کرتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد تھے جنہوں نے آبائی دین ومذہب سے تالیف قلبی کے باعث چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور خصوصاً جو سردار ورئیس مختلف اقوام سے مشرف باسلام ہوتے تھے انہی پر اس جملہ کا اطلاق ہوتا تھا۔

جو قوموں کے سرداروں اور سرگروہوں کو خیرات کے نام سے بڑے بڑے قیمتی تحفے اور نذرانے دئے گئے وہ فی الحقیقت ایک طرح کی رشوت تھی اور مدنی مسلمانوں کا اس قسم کی کارروائی پر اعتراض کرنا کچھ تعجب کی بات نہ تھی۔ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ کو مفسرین اب منسوخ 1* شدہ بیان کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق نے نومسلموں کو اس قسم کے تحائف وہدیہ کا دینا بند کردیا تھا اور بند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اب چونکہ خدا نے اسلام کو بہت کچھ ترقی اور قوت وغلبہ عطا فرمایا تھا اس لئے اسی طرح نذرانے دینے اور لالچ دلانے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔

9 ہجری سال رسالت یا وکالت کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس وقت مکہ وکعبہ پر آنحضرت قابض تھے۔ آپ کی شہرت بدرجہ کمال پھیل گئی تھی اور بہت سی قومیں یکے بعد دیگر آپکی مطیع وفرمانبردار ہوگئیں اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کے اظہار واقرار کے لئے انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں اپنے قاصد اوروکیل بھیجے۔

مورخ ابن اسحاق لوگوں کے اس طرح مطیع ہونے اور اسلام قبول کرنیکی اخلاقی حقیقت یوں بیان کرتا ہے کہ جب مکہ فتح ہوگیا اور قریش نے اسلام سے مغلوب ہو کر اطاعت قبول کرلی تو باشندگان عرب نے یہ جانکر کہ ہمیں حضرت محمد کے مقابلہ کی تاب نہیں اور لڑائی میں ہم اس سے عہدہ برا نہیں ہوسکتے دین اسلام قبول کرلیا۔ جنگی افسروں کے ماتحت افواج اسلام نے ملک کو لوٹ مار کرصاف کردیا اورمنکرین اسلام کے لئے خانہ کعبہ کی زیارت کی قطعی ممانعت ہوگئی چنانچہ سورہ توبہ کی 5آیت میں یوں مرقوم ہے فَإِذَا انسَلَخَ الأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُواْ الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُواْ لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ الصَّلاَةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ فَخَلُّواْ سَبِيلَهُمْ یعنی پھر جب گذر جاویں مہینے پناہ کے تو مار مشرکوں کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیر اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک میں۔ پھر اگروہ توبہ کریں اور کھڑی رکھیں نماز اور دیا کریں زکواۃ تو چھوڑ دو ان کی راہ۔

1* ان تحائف وہدایت کی تنسیخ ومقاط کے باب میں مفسر حسین فرماتے ہیں کہ بعد از ظہور اسلام وغلبہ مسلمانان باجماع صحابہ ساقط شدہ است۔ (تفسیر حسینی جلد اول صفحہ 260) پھر خلاصتہ التفاسیر جلد دوم کے 271 صفحہ پر یوں مرقوم ہے کہ زمانہ ابوبکر صدیق باجماع حصہ مولفتہ القلوب ساقط ہوگیا اس لئے کہ ضرورت تالیف قلوب کرنیکی باقی نہ رہی۔

کہتے ہیں کہ اس مشہور ومعروف آیت نے جو کہ آیت السیف یا تلوار کے نام سے نامزد ہے ان تمام قیود 1* کو جو مسلمانوں کو لڑائی شروع کرنے سے روکتی اور مانع تھیں توڑڈالو نہ صرف یہ بلکہ سورہ عنکبوت کے رکوع 5 کی دوسری آیت میں جو نرمی کے الفاظ مندرج ہیں کہ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ

الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی جھگڑا نہ کرو کتاب والوں سے مگر اس طرح پر جو بہتر ہو ان کو بھی منسوخ کردیا۔

بہر حال اب اہل عرب پر روشن ہوگیا کہ آنحضرت کی آئندہ کسی طرح سے مخالفت کرتا بالکل بے سود اور لاحاصل ہے۔ان کے جتھے میں تفرقہ پڑگیا اور اس کی جمعیت نہایت ضروری تھی پر اس قسم کے کام کو انجام دینا صرف حضرت محمد ہی کا کام تھا۔ اس طرح اسلامی جنبش نے قومی ترقی کی صورت اختیار کی اور وہی شخص جو مدت مدید تک نزاع وفساد اور جنگ وجدل کا باعث تھا اب تمام عرب کا پیشوا اور مختار وحاکم تسلیم کیا گیا۔ اس طور پر آنحضرت کی پہلی آرزوئیں اور خواہشیں پوری ہوگئیں۔

1* ان قیود کا بیان سورہ بقرہ کے 24 رکوع میں یوں مندرج ہے وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ یعنی لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو لڑتے ہیں تم سے اور زیادتی مت کرو۔ یہ حکم جس کے مطابق مسلمانوں کو صرف اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے ہی لڑنا جائز تھا آیت السیف سے منسوخ ہوگیا چنانچہ تفسیر حسینی جلد اول کے 32صفحہ میں مندرج ہے کہ ایں حاکم بآیت سیف منسوخ است پس اب اپنی حفاظت وبچاؤ کے لئے لڑنا ایک پرانی کہانی متصور ہونے لگی اور تمام مشرکین سے دائمی لڑائی کی تعلیم مومنین کے دلوں میں نقش ہوگئی۔

جو شخص ملکی معاملات میں آپ کی اطاعت قبول کرتا تھا اس کے لئے اسلام کا قبول کرنا بھی ضروری تھا اور اس کی ایک ہدایت لابدی شرط یہ تھی کہ اس کو نہ صرف اسلام کی تعلیم اور اس کے اخلاقی مسائل کو تسلیم کرنا پڑتا تھا بلکہ اس پر ہر امر میں اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری بلاحجت اور بے چون وچرا فرض وواجب تھی۔ علاوہ بریں ہر سال اسے اپنی جائداد کا دسواں حصہ دینا پڑتا تھا اور یہ کسی طرح کا خراج یا جزیہ نہ تھا بلکہ دینی سخاوت تھی جس سے اس کی باقی جائداد ودولت کا پاک ہونا خیال کیا جاتا تھا اور اس میں آنحضرت کی خیرات واخراجات اور سلطنت 1* کی ترقی ملحوظ ہوتی تھی۔

کچھ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد 630ء میں آنحضرت کو یہ خبر ملی کہ بادشاہ ہیر وکلیس چھوٹے چھوٹے راجاؤں اور جاگیر داروں کو فراہم کرکے اس خیال اور ارادہ سے بے شمار فوج جمع کررہا ہے کہ مسلمانوں کے حملوں اور یورشوں کو آئندہ کے لئے بند کرے یا عرب پر حملہ کرکے اسے تاخت وتاراج کرلے۔ اس پر آپ نے ایک مسلح فوج ملک سیریا کی حدود کی طرف بھیجی۔آنحضرت کو یہ معاملہ نہایت نازک معلوم ہوا اور یونانی سلطنت روم اس کے مددگاروں کے مقابلہ کی خاطر محمدی فوج اتنی جمع ہوئی کہ اس سے پیشتر کبھی اس قدر مومنین آنحضرت کے جھنڈے تلے لڑنے مرنے کو تیار نہ ہوئے تھے۔ جب بہت سی تکالیف ومصائب کے بعد یہ لشکر تبوک 2* پہنچا تو معلوم ہوا کہ رومی لشکر کشی کی خبر میں بہت مبالغہ کیا گیا تھا بادشاہ اپنے ارادہ کو فسخ کرکے وہاں سے چلا گیا تھا۔ اب حضرت محمد یہود ونصاریٰ کی مختلف ریاستوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایلا کا عیسائی حاکم یوحنا آنحضرت سے عہدوپیمان کرکے آپکا باجگذار بن گیا۔بعض یہودی اقوام نے بھی آپکی اطاعت اختیار کرلی اور باقاعدہ جزیہ ادا کرنیکا اقرار کیا اور 630ء کے اختتام پر آنحضرت اس آخری یورش سے مدینہ میں واپس آئے۔

1*۔ Muir's Life of Muhammad جلد چہارم صفحہ 170۔

2* تبوک ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان مساوی فاصلہ پر واقع ہے۔

یہودو نصاریٰ پر اس جبرو تعدی کے جواز کا بیان سورہ توبہ کی ان چند آیات میں پایا جاتا ہے جو نہایت معتبر مفسرین کے نزدیک عین یورش تبوک کے بعد ہی نازل ہوئی تھیں۔ چنانچہ 29آیت سے 35آیت سے یوں مندرج ہے قَاتِلُواْ الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلاَ يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُواْ الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَوَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّهِ وَقَالَتْ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ1* اللّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَاتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَـهًا وَاحِدًا لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَيُرِيدُونَ أَن يُطْفِؤُواْ نُورَ اللّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّهُ إِلاَّ أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍيَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ یعنی لڑو ان لوگوں سے جو یقین نہیں رکھتے اللہ پر نہ پچھلے دن پر۔ نہ حرام جانیں جو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے۔ اور نہ قبول کریں دین سچا۔ وہ جو کتاب والے ہیں جب تک دیویں جزیہ سب ایک ہاتھ سے اور وہ بے قدر ہوں۔ اور یہود نے کہا عزیر بیٹا اللہ کا اور نصاریٰ نے کہا مسیح بیٹا اللہ کا۔ یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے۔ ریس کرنے لگے اگلے

منکروں کی بات کی ۔ مار ڈالے انکو اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔ ٹھہراتے ہیں اپنے عالم اور دوریشوں کو خدا 2* اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو اور حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک صاب کی کسی کی بندگی نہیں اس کے سوائے وہ پاک ہے ان کے شریک بتانے سے ۔چاہیں کہ بجھادیں روشنی 3* اللہ کی اپنے منہ سے اور اللہ نہ رہے بن پوری کئے اپنی روشنی اور پڑے برامانیں منکر۔ اسی نے بھیجا اپنا رسول ہدایت لیکر اور دین سچا تا اس کو اوپر کرے 4* ہر دین سے اور پڑے برا مانیں مشرک۔ اے ایمان والو بہت عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ۔ اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں سونا اور روپا اور خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں۔ سو ان کو خوشخبری سنا دکھ والی مار کی جس دن آگ دہکاوینگے اس پر دوزخ کی پھر داغینگے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں 5*۔

1* قَاتَلَهُمُ اللَّهُ خدا ان کو ہلاک کرے یا مار ڈالے) سورہ مائدہ کے لائم و نرم الفاظ کے بالکل برعکس ہے چنانچہ سورہ مائدہ کے 11 رکوع میں یوں لکھا ہے کہ یعنی اور تو پاویگا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ۔ یہ اس واسطے کہ ان میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ اس آیت کے بعد کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسیحی لوگ اسلام قبول کرنے کو تیار تھے ۔ چنانچہ یوں لکھا ہے کہ یعنی اور جب سنیں جو اترا رسول پر تو دیکھے ان کی آنکھیں ابلتی ہیں آنسوؤں سے اس پر جو پہچانی بات حق کہتے ہیں اے رب ہم نے یقین کیا کہ سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ ۔ بہر کیف متذکرہ وبالا دو نو آیات میں مسلمانوں کے مسیحیوں سے عام رشتہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان سے ایک خاص محدود تعلق ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ اس کے ان آیات سے آنحضرت کے خیالات کچھ متین اور آخری معلوم نہیں ہوتے کیونکہ اگرچہ یہ آیتیں سب سے آخری سورۃ میں مندرج ہیں تاہم ان کا واسطہ بہت پہلے زمانہ سے ہے ۔ اس کے ثبوت میں ہم مفسر حسین کا بیان پیش کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ یہ آیات ان ستر آدمیوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں جن کو حبش کے بادشاہ یعنی نجاشی نے آنحضرت کے پاس بھیجا۔ اور جس نے قریباً 7 ہجری میں ان لوگوں پر جو مکہ سے بھاگ کر اس کے پاس پناہگزین ہوئے تھے بڑی مہربانی ظاہر کی تھی۔ پس اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ عیسائی اس آخری وقت نہیں آئے تو تو بھی یہ اس وقت سے دوسال پیشتر کا ذکر ہے جب سورہ مائدہ میں سخت حکم آیا کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی نہ رکھیں۔ چنانچہ اس مضمون پر یہ آخری حکم سورہ مائدہ کے آٹھویں رکوع کی پہلی آیت میں یوں مندرج ہے کہ اے ایمان والومت پکڑو یہود و نصاریٰ کو رفیق ۔ وہی آپس میں رفیق ہیں ایک دوسرے کے اور جو کوئی تم میں رفاقت کرے وہ انہی میں ہے ۔ حسین بیان کرتا ہے کہ ان مسیحی زایروں کو آنحضرت نے سورہ یس سنائی جو خوش ہو کر ایک دوسرے کہنے لگے کہ جو کچھ عیسیٰ پر نازل ہوا تھا اس سے قرآن بہت مشابہت رکھتا ہے پھر انہوں نے اسلام قبول کرلیا چنانچہ تفسیر حسینی جلد اول کے 155 صفحہ پر یوں مرقوم ہے کہ احکام اسلام وایمان کردہ بایکید دیگر گفتند کہ قرآن چہ مشابہت تمام دار با آنچہ بر عیسیٰ نازل شدہ۔

2* اتخذو احبارہم ورھبانہم ارباباًمن دون اللہ کا ترجمہ مفسر حسین یوں کرتے ہیں کہ فرا گرفتند یہودی نصاریٰ علمائے خورد اوعباد خود اخدایان ۔ لفظ ارباب رب کی جمع ہے اور لفظ ربی کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو یہود و نصاریٰ اپنے کاہنوں اور معلموں کے حق میں استعمال کرتے تھے لیکن عربی زبان میں صرف خدا کے حق میں یہ لفظ استعمال کرسکتے تھے (دیکھو راڈویل صاحب کا قرآن صفحہ 616 اور پامر صاحب کا قرآن جلد اول صفحہ 177) جب کوئی یہودی کسی عالم کو ربی کہتا تھا تو اس میں کسی طرح کا کوئی گناہ مقصود نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس لفظ کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ اس کو خدا جانتا تھا۔ حضرت محمد نے غلطی کھائی اور اس لفظ کے غلط معنی لے لئے۔ اس غلطی کا یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ آپ عبرانی زبان سے بے بہرہ تھے لیکن ایک اور مشکل پیش آتی ہے کہ یہ امر الہامی تعلیم کے برخلاف ہے کیونکہ آنحضرت کا یہ دعویٰ تھا کہ قرآن آپکا کلام نہ تھا بلکہ خدا کا کلام جو آپ کے وسیلہ بولتا تھا اس آیت سے قرآن کا وحی کی معرفت نازل ہونا صاف اڑجاتا ہے اور محض غلط ثابت ہوتا ہے ۔

3* اس روشنی سے اسلام ۔ قرآن یا حضرت محمد کی نبوت یا خدا کی پاکیزگی وتقدس (حجت روشن برتقدس تنزہ اوزارین) کی صاف دلیل مراد ہے بافواھم سے مجازی اصطلاحی طور پر یہود و نصاریٰ کی درغگوئی مراد ہے جس سے وہ سچے دین کو پھیلنے سے روکتے ہیں اور اسکی اشاعت کے مانع ہوتے ہیں۔

4* اسکی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ خدا نے حضرت محمد کو اسلام یعنی سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے اور یہ کہ اسلام تمام دیگر ادیان پر غالب آکر انکی شریعت واحکام کو منسوخ کردیگا اور عیسیٰ کی دوسری آمد کے تمام جہان سوائے اسلام کے کوئی دوسرا دین نہیں ہوگا۔ چنانچہ تفسیر حسینی جلد اول کے صفحہ 253 اور 254 میں یوں مندرج ہے غالب گرداند دین خوادر برہمہ دینہا منسوخ سازو احکام آنرا وآن بعد ا نزول عیسیٰ خواہد بود کہ بروئے زمین جزدین اسلام نماند۔ پھر خلاصۃ التفاسیر جلد دوم کے 243 صفحہ پر یوں مرقوم ہے کہ اسلام ناسخ الادیان وغالب البرہان است۔

5* یہ تمام بیان نہایت ہی قابل غور اور توجہ کے لائق ہیں لہذا ہم اسی مقام پر اس کی نسبت مفسر حسین کا بیان درج کرتے ہیں وہ لکھتا ہے کہ اے بشید اے مومناں وکارزا کنید باآنکہ ایمان ندارند بخدا یعنی یہود کہبہ تشبیہ قائل اندوانصاریٰ کی تثلیث رامتعقد اندنئے گروند بروز قیامت یہود گویند کہ در بہشت اکل وشرب نخواہد بوا نصاریٰ معاد روحانی را اثبات میکیند ومحرم نمیدانندو نمیدارند آنچہ حرام کردہ است خدا از حمر وودختر آنچہ ثابت شدہ است وبیان الذین لایومنون میفرماید کہ بابل کتاب مقاتلہ کنند تاقتیکہ بدہند جزیہ وحال آنکہ ایشاں خورشدگان باشند یعنی جزیہ بدست آرندو نشنیند تاوقتیکہ تسلیم کنند یا ازیشاں جزیہ گیرندو گردن ایشاں را بسیلی فروکوبند۔ پس اب یہ امر نیم روز کی طرح روشن ہے کہ اس آیت میں عرب کے بت پرستوں کا ذکر نہیں ہے بالکل صاف یہود و نصاریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت سے اور خصوصاً اس کے الفاظ ہمہ ماغرون کے باعث محمد ممالک میں ضمنی یعنی جزیہ دینے والوں سے بڑی بدسلوکی ہوتی تھی اس امر میں بہت مختلف رائیں ہیں جزیہ کن سے لینا چاہیے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف یہود و نصاریٰ ہی سے جزیہ لینا چاہئے امام اعظم کا قول ہے کہ تمام مشرکین سے جزیہ لینا چاہئے سوائے عربی بت پرستوں کے جن کے سامنے یا تیغ است یا اسلام کو پیش کیا جائے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جو لوگ اسلام سے منحرف اور برگشتہ ہوجاویں ان کو قتل کرنا چاہئے اور ان کے سوا سب سے جزیہ لینا روا ہے ۔ اس میں قرآن اور سنت کی مساوی الوزن فوقیت وفضیلت کو قائم رکھا گیا ہے اور بہشت کی اصلیت ماہیت کا بیان کیا گیا ہے۔ عزیر کی نسبت مفسر حسین ایک روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ نبوکدنصر بادشاہ نے توریت کے تمام نسخے ضائع کردئیے لیکن عزیر نے تمام توریت حفظ کی ہوئی تھی وہ بابل کی اسیری سے واپس آکر مرگیا اور پھر سوسال دوبارہ زندہ ہو کر اس نے تمام توریت لکھوائی یہودی اس پر تعجب کرکے کہنے لگے کہ اس کا باعث یہ ہے کہ عزیر خدا کا بیٹا

ہے ۔یہودیوں میں اس روایت کا کہیں نام ونشان بھی نہیں پایا جاتااور آنحضرت کا یہود پر الزام لگانا محض اختراع اور بناوٹ ہے ۔ اس مذکورہ بالاروایت کی طرف سورہ بقرہ کے 35 رکوع میں بھی ارشاد پایا جاتا ہے کہ چنانچہ لکھا ہے کہ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىَ يُحْيِـي هَـَذِهِ اللّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللّهُ مِئَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِئَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى العِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا یعنی جیسے وہ شخص زرا ایک شہر پر اور وہ گر پڑا تھا اپنی چھتوں پر بولا کہاں جلاویگا۔ اس کو اللہ مر گئے پیچھے پھر مار کھ اللہ نے اس شخص کو سو برس پھر کہا تو کتنی دیر رہا۔ بولا میں رہا ایک دن یا دن سے کچھ کم کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑ نہیں گیا دیکھ اپنے گدھے کو اور تجھ کو ہم نمونہ کیا چاہیں لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیاں کس طرح ان کو ابھارتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت مفسرین نے اس آیت کو عزیر کی طرف منسوب کرکے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ شہر یروشلم کے کھنڈرات کے پاس سے گذرا اس کے پھر تعمیر ہونے میں اس کے دل میں شکوک پیدا ہوئے یعنی وہ خیال کرنے لگا کہ خدا اس کو پھر کبھی تعمیر نہیں کریگا پھر خدا نے اسکو یہ معجزہ دکھلایا تفسیر حسینی جلد اول صفحہ 50 حضرت محمد اس معاملہ میں عزرا اور نحمیاہ میں امتیاز نہیں کرسکے۔ غالباً اس کہانی کی بنیاد یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت کو کسی نے نحمیاہ کے سوار ہو کر یروشلم کے کھنڈرات کے گرد پھر نیکا کا خیال غیر صحیح طور پر سنایا ہوگا۔ دیکھو نحمیاہ کی کتاب اس کا دوسرا باب 11 آیت سے 16 آیت تک۔

یہ آیتیں جو کہ آنحضرت کی آخری جنگی مہم سے علاقہ رکھتی ہیں جس میں آپ کا مقصد اعلیٰ یہ تھا کہ یہود و نصاریٰ کو مطیع وتابعدار بنادیں ان سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہود و نصاریٰ اور ان کے عقائد کی نسبت اب بہت اچھی طرح سوچ سمجھ لیا تھا کہ آئندہ ان سے اسلام کا کیا رشتہ ہوگا۔

جن آیات کے ابھی حوالے دئے گئے ہیں ان کے مطابق اور اسی مضمون کی ایک آیت سورہ مائدہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بعد میں یہاں داخل کی گئی ہے اور اس کے نزول کے باب میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عین جنگ احد کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اگر یہ بات یوں ہے تو اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سورہ توبہ میں جو کچھ یہود و نصاریٰ کے متعلق آخری فرمان جاری ہوا وہ کسی طرح کے خاص اسباب کی وجہ سے جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی کا خیال نہ تھا بلکہ کئی سال پیشتر کے ایک فیصل شدہ قانون وضابط کی تکمیل کا اظہار تھا چنانچہ سورہ مائدہ کے رکوع 8 کی پہلی آیت میں یوں مرقوم ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاء بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ یعنی اے ایمان والو مت پکڑو یہود 1* و نصاریٰ کو رفیق وہی آپس میں رفیق ہیں ایک دوسرے کے اور جو کوئی تم میں ان سے رفاقت کرے وہ انہیں 2* میں ہے۔ اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔

1* تفسیر حسینی جلد اول کے 149 صفحہ پر مرقوم ہے کہ ایں سخن غایت تہدید است در موالات یہود و نصاریٰ۔

2* سا تو رکوع میں کسی قدر ظاہری آزادی کا خیال پایا جاتا ہے کہ لیکن یہ آیت اس کی نقیص معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سخت حکم کے برعکس ساتویں رکوع میں یومندرج ہے کہ ہر ایک کو تم میں دیا ہم نے ایک دستور اور راہ اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کرتا لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے اپنے دئے حکم میں ۔ تفسیر حسینی جلد اول کے 148 صفحہ میں اس کا بیان یوں ہے کہ آزیدا شمار آنچہ شمار دادہ است از شرائع مختلفہ مناسب ہر عصنو ے وزمانے تا مطیع ازعاصی ممتیز شود۔ ان دونوں آیات سے مفسرین نہایت مشکل میں پڑگئے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مذاہب مختلفہ کا بانی اور قائم کرنےوالا خدا ہی ہے درحالیکہ عبارت متن سے یہ امید بلکہ یقین ہونا چاہیے کہ مختلف مذاہب کی ہستی انسان کے گناہ اور اس کی خود پسندی خودرائی کا نتیجہ ہے حامیان اسلام میں سے پکے یعنی سنی مفسرین لکل کے بیان میں فرماتے ہیں کہ اسکا مفہوم ہر ایک فرد بشر یا ہر ایک زمانہ یا قوم نہیں ہے بلکہ اسے ہر ایک نبی مراد ہے جس کو شریعت ملی اور اسی طرح سے اس ہماری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے ہر ایک نبی کو شریعت دی اور اسکی تعمیل وتابعداری اس زمانہ کے لوگوں پر اس وقت تک فرض تھی جب تک کہ وہ شریعت منسوخ نہ ہوجاوے چنانچہ اسی طرح تمام نبی اور دین ایک دوسرے کے بعد خدا کی طرف سے مقرر ہوتے رہے اور اب یہود و نصاریٰ اپنی اپنی شریعتوں کی تعمیل نہیں کرسکتے کیونکہ اس زمانہ میں ان کی شریعتیں ان کے دینوں سمیت منسوخ ہوگئیں اور اب صرف اسلام ہی کی اطاعت وتابعداری فرض ہے (دیکھو خلاصتہ التفاسیر جلد اول صفحہ 530) عبداللہ ابن عباس لکل کا مفہوم لکل نبی منکمہ یعنی ہر ایک نبی بتاتے ہیں اور شاہ ولی اللہ محدث اس کا ترجمہ ہر گروہ بیان کرتے ہیں۔

اس طرح سے اب حضرت محمد ﷺ نے یہود و نصاریٰ سے تعلق قطع کرلیا۔ اپنی مرسلانہ زندگی کے آغاز میں آپ ان کی بہت عزت کرتے تھے اور ان کی مقدس کتابوں کا بڑے ادب ولحاظ سے ذکر کیا کرتے تھے اور آپ کی تعلیم میں جس قدر اچھی باتیں ہوتی تھیں وہ سب کی سب انہی کی تعلیم سے اڑائی ہوئی ہوا کرتی تھیں۔ اب جس وقت آپ کی طاقت سب پر فوق لے گئی تو آپ نے اپنی مدد یا یاوری کے تمام پرانے وسائل کو یکطرفہ رد کردیا اور سب کو اپنے تابع فرمان بنایا۔

اگرچہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں صرف وہی وسائل 1* وطریقے کام میں لائے گئے ہیں جن سے محض صلح وسلامتی منتصور تھی تاہم اس کا تسلیم کرنا اور اس بیان ک صداقت کے معتقد ہونا محال ہے۔ اس قدر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ بعض اوقات ایسا ہی ہوا اور نیز یہ کہ دین عیسیوی کے بعض مسائل کی بالجبر تلقین کی گئی لیکن ہمارا اعتراض یہ ہے کہ جبرو تعدی مسیحیت کے بانی کی ذات پاک اور اس کی تعلیم کے بالکل برخلاف و برعکس ہے البتہ حضرت محمد کی ذات اور اسکے افعال سے اسکی بہت مطابقت ہے ۔آنحضرت کے مومنین کے لئے آپ کے آخری الفاظ بالکل صاف ہیں ۔ جب تک صفحہ ہستی پر اسلام کا نام ونشان باقی ہے ہر ایک پکے مسلمان کے کانوں میں یہی آواز گونجتی رہیگی کہ قاتلھہ اللہ یعنی خدا ان کو قتل کرے ۔آنحضرت نے اپنے مومنین کو صلح

وسلامتی کا ایک حرف بھی میراث میں نہ دیا بلکہ ان میں کشت وخون 2* کی ایسی پھونک مارگئے کہ اس سے انکے دلوں میں مذہبی دیوانگی کی روح ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

1* اس مقام پر آیات قرآنی اقتباس نہیں کی گئی۔ سورہ بقر میں جو آیات اس امر کے متعلق ہیں ممکن ہے کہ ان کا حوالہ 7 ہجری کے حج سے علاقہ رکھتا ہو اگر یوں ہو تو یہ آئتیں بعد میں سورہ بقرہ میں درج کی گئی ہیں۔ پھر اگر یہ سچ ہے تو اس سے صرف آنحضرت کے مکی مخالفین کی طرف اشارہ ہے لیکن سورہ بقرہ کے 24 رکوع میں ان کی نسبت یوں مرقوم ہے کہ اور لڑو ان سے جب تک باقی نہ رہے اور حکم رہے اللہ کا۔ ذرا خیال کرنا چاہئے کہ فعل قتل ہے نہ جہد کہ اسکے معنی بجائے قتل کرنے یا مارنے کے جہدو کوشش ہوسکھیں۔(دیکھو Sell's Faith of Islam صفحہ 364) تمام دلائل جنکی بنیاد یہ ہے کہ قرآن میں جہد کے معنی لڑائی کرنا نہیں بلکہ سرگرمی سے کوشش کرنا ہیں اس قسم کی آیات پر مطلق عائد نہیں ہوتے اور نہ ان سے اس حکم کی سختی اور خشونت میں کسی طرح کا فرق آتا ہے۔ اگر یہ آیت محض اہل مکہ کے حق میں نازل ہوئی ہو تو بھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اشاعت اسلام تلوار ہی سے ہوئی تھی اور تلوار ہی سے ہوئی نہ کہ صلح وامن کے وسائل سے جس لڑائی کا اوپر بیان ہوا ہے یہ محض موجودہ طرز حکومت کے برخلاف ملکی لڑائی ہی نہ تھی بلکہ اہل مکہ سے یہ آپ کی دینی لڑائی تھی۔ ساکنان مکہ آپ کو مدنی حاکم کی حیثیت میں نہ اپنا ملکی حاکم مانتے تھے اور نہ دینی پیشواقبول کرتے تھے۔ اس عبارت کی یہ سب سے ملائم تفسیر ہے لیکن بہت سے مسلمان اس کو اس قدر محدود نہیں کرتے۔ان کو جہاد کی آواز ہر زمانہ میں صاف سنائی دیتی ہے۔ الجهاد ماضي الى يوم القيامة کی حدیث کو بسا اوقات بڑی خوشی سے اقتباس کرتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آیت جزیہ دینے والوں اور لوگوں کے سوائے جو مومنین سے رابطہ اتحاد اور عہدو پیمان رکھتے ہوں سب پر محیط ہے لیکن تمام جزیرہ نمائے عرب میں کسی کافر کو رہنے کی اجازت نہ تھی اور ہر ایک مرتد کے لئے قتل کا حکم نافذ ہوچکا تھا۔ (دیکھو خلاصتہ التفاسیر جلد اول صفحہ 132) لہذا ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ خواہ محدود طور پر سمجھا جاوے یا وہ غیر محدود طور پر عائد ہوں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت اسلام میں جن طریقوں اور تدابیر کو استعمال کیا گیا وہ صلح وسلامتی سے خالی اور محض جبر کے نام نامی کے لائق ہیں۔

2* سب سے آخر جو اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ اشاعت اسلام کو جبر وتعدی سے بری کیا جاوے اور ظاہر ہو کہ اسلام صلح وامن سے پھیلا وہ J.W.Arnold صاحب کی کتاب The Preaching of Islam میں پائی جاتی ہے اس میں مصنف موصوف نے غلطی کھائی ہے تاہم یہ کتاب دلچسپ ہے مصنف کو جس قدر قرآن سے نرم وملائم الفاظ کے فقرات ملے ہیں اس نے اس کتاب میں تیسرے صفحہ سے چھٹے صفحہ تک شروع میں درج کئے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ اگرچہ اس نے اسی سورة یعنی سورہ توبہ سے کئی آیات اقتباس کی ہیں تو بھی وہ 29 سے 35 تک تمام عبارت صاف اڑا گیا ہے جس سے اس کی کتاب کے تمام دلائل درہم برہم ہوجاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مسیحی لوگ مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں پر حضرت محمد نے ان کے ساتھ کوئی مناسب سلوک نہ کیا بلکہ کہا کہ قاتلهمہ اللہ اور آپ نے کلمات غضب آیات اپنی آخری عمر میں کہے جب آپکی رسالت اور کارگذاری کا انجام نزدیک تھا اور ضرور آپ نے یہ الفاظ سوچ سمجھ کر اور دل میں فیصلہ کرکے کہے ہونگے۔ ایک حدیث میں واقدی سے روایت ہے کہ آنحضرت اپنے بستر مرگ پر یوں کہتے تھے کہ خدا یہود ونصاریٰ کو ہلاک کرے لیکن اس بات پر زور دینے کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ یہ حدیث ہی کچھ بہت اعتبار کے قابل نہ ہو جیسا کہ بیان ہوچکا ہے آنحضرت جابرانہ عداوت ودشمنی کے اظہار کے لئے جو آپ نے اپنے ہر ایک مخالف سے رکھتے تھے آخری ایام کا وحی قرآنی ہی کافی ہے دیکھو Muir's Life of Muhammad جلد چہارم صفحہ 270۔

فی الحقیقت نہایت افسوس کی بات ہے کہ ایسے نامور شخص کی زندگی کا ایسا انجام ہو۔ مسلمانوں پر جہاد کا فرض ہونا رفتہ رفتہ قرار پایا۔ اور اس بات کا تصور میں آنا کہ صرف اللہ ہی کا دین ہو اور اسلام ہی سب پر غالب رہے نہایت اعلیٰ خیال تھا اور جس قدر آنحضرت کی ملکی طاقت بڑھتی گئی اسی قدر آپ کے دل میں یہ خیال زیادہ صفائی سے نقش ہوتا گیا۔ ایام مکہ کے آخر میں جو آپ کے خیالات تھے اب وہ بالکل جاتے رہے۔ اس وقت آپ نے مومنین کو یوں فرمایا تھا وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی جھگڑا نہ کرو کتاب والوں سے مگر اس طرح پر جو بہتر ہو (سورہ عنکبوت 45آیت)۔

اس سے سات آٹھ سال پیشتر جب مسلمان مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ گئے اور یہود ونصاریٰ اور بت پرست عربی اقوام سے سابقہ پڑا اس وقت آنحضرت نے مسلمانوں کو ایک نہایت عمدہ نصیحت کی اور فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین یعنی زور نہیں دین کی بات میں (دیکھو سورہ بقرہ 34رکوع) لیکن اب آپ اس کو بھی فراموش کر بیٹھے۔اس وقت آنحضرت کا اور ہی ڈھنگ تھا۔ بدرجہ کمال زبردستی ہونے لگی جس کو عمل میں لانا اور اسکی تعلیم دینا صرف کسی فتح مند اور صاف اقتدار شخص کا کام ہے۔ جب آپ کو یہ رتبہ حاصل نہ تھا اس وقت آپ ایک بھگوڑے واعظ کی حیثیت میں اس پر قادر نہ تھے 1* لیکن اب تو مدت سے فتح مندی کے نشہ نے آپکی ضمیر کی آنکھوں میں خاک ڈال کر اسے جلاوطن کر چھوڑا تھا۔ اب آنحضرت قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے تھے اور چلتے چلتے اپنے مومنین کو تمام جہان سے لڑنے اور قتال کرنے کا حکم ورثہ میں دے گئے۔ خواہ مخواہ ایک اور دینی پیشوا کا آنحضرت سے مقابلہ کرنا پڑتا 2* ہے جس نے اپنے شاگردوں کے فرمان کی تعمیل بھی نہایت سرگرمی اور عجیب طور سے کی گئی۔ اہل عرب ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لیکر شہر جو جلاتے اور وہاں کے مظلوم باشندوں میں اسلام کی اشاعت بزور شمشیر کرتے تھے۔ لیکن مسیح کے رسول رومی سلطنت کی اخلاقی تاریکی میں نہایت حلم اور عدیم المثال نور ہدایت کی طاقت سے شائستگی کی بنیاد رکھتے اور قومی اور خانگی زندگی کے ناپاک سوتوں اور سرچشموں کو پاک وصاف کرتے تھے۔

1* ان تمام سخت و نرم آیات کے نزول کا وقت دریافت کرنا نہایت ضروری ہے۔ صرف تمام نرمی ملائمیت کی آیات جمع کرنا اور ان کے نزول کے محل اور متعلقہ واقعات کا بیان نہ کرنا جیسا کہ بعض اوقات ظہور میں آیا ہے۔ محض مغالطہ میں ڈالتا ہے۔ مثلاً Arnold's Preaching of Islam تیسرے سے چھٹے صفحہ تک ملاحظہ کیجئے

2* دیکھو Osberni's faith of Islam صفحہ 54

زیادہ سرگرم مسلمانوں کی بڑی خواہش تھی کہ سیریا کے عیسائیوں اور مخالف عربی اقوام کے برخلاف لڑائی میں شریک ہوں لیکن ان سب کے لئے سواری اور دیگر مصارف جنگ کا بندوبست نہیں ہوسکتا تھا اس لئے جنگی ضروریات کے بہم نہ پہنچنے کے باعث وہ جنگ میں شریک ہونے سے قاصر رہے۔ لہذا جنہوں نے دیکھا کہ ان کی خدمات کارآمد یا مفید نہیں ہوسکتیں زار زار رونے لگے۔ چنانچہ اس وقت سے ان کا نام البا کیون یعنی رونے والے مقرر ہوگیا۔ ان کے حق میں ایک آیت نازل ہوئی اور انہیں بتلایا گیا کہ ان کا کچھ قصور ہے چنانچہ سورہ توبہ کے رکوع 12 میں یوں مرقوم ہے وَلاَ عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لاَ أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّواْ وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلاَّ يَجِدُواْ مَا يُنفِقُونَ یعنی اور نہ ان پر کہ جب تیرے پاس آئے تا ان کو سواری دے۔ تو نے کہا نہیں پاتا ہوں وہ چیز کہ اس پر تم کو سوار کروں الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے بہتے ہیں آنسو غم سے کہ نہیں پاتے جو خرچ کریں۔

مدینہ کے چند منافقین نے آنحضرت کی مہمات اور تسخیرات 1* میں آپکا ساتھ نہیں دیا تھا۔ جب آپ مدینہ میں واپس تشریف لائے تو آپ نے ان کو خوب دھمکایا۔ ان منافقین اور بدوی لوگوں کی سرزنش اور دیگر خاص وعام اشخاص کی آگاہی کے لئے خاص آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ سورہ توبہ کی 39،38،82 اور 87 آیات میں یوں مندرج ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الآخِرَةِإِلاَّ تَنفِرُواْ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًافَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلاَفَ رَسُولِ اللّهِ وَكَرِهُواْ أَن يُجَاهِدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَقَالُواْ لاَ تَنفِرُواْ فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانُوا يَفْقَهُونَوَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُواْ بِاللّهِ وَجَاهِدُواْ مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُوْلُواْ الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُواْ ذَرْنَا نَكُن مَّعَ 2* الْقَاعِدِين یعنی اے ایمان والو کیا ہوا ہے تم کو جب کہئے کوچ کرو اللہ کی راہ میں ڈھے جاتے ہو زمین پر۔ کیا ریجھے دنیا کی زندگی پر آخرت چھوڑ کر۔ اگر نہ نکلو گے تم کو دیگا دکھ کی مار خوش ہوئے پچھاڑی والے بیٹھ رہکر جدا رسول اللہ سے اور برا لگا اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں اور بولے مت کوچ کرو گرمی میں۔ تو کہہ دوزخ کی آگ اور سخت گرم ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ کہ یقین لاؤ اللہ پر اور لڑائی کرو اسکے رسول کے ساتھ ہوکر۔ رخصت مانگتے ہیں ان کے مقصد والے اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دے رہجاویں ساتھ بیٹھنے والوں کے پھر 91 آیت میں بدوی لوگوں کو آنحضرت نے یوں دھمکایا وَجَاء الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ یعنی اور آئے بہانے کرتے گنوار تا رخصت ملے ان کو اور بیٹھ رہے جو جھوٹے ہوئے اللہ سے اور رسول سے اب پہنچیگی ان کو ان میں جو منکر ہوئے دکھ کی مار۔

1* آنحضرت نے اپنی مدنی رہائش کے ایام میں عرصہ دس سال کے اندر اندر 38 مرتبہ لشکر کشی اور ان حملوں میں سے 27 میں آپ نے بذات خو اشاعت اسلام کی خاطر سپہ سالاری کی۔ دیکھو کیلی صاحب کی کتاب Muhammad and Muhammadanism کے صفحہ 323 پر ابن اسحاق اور ابن ہشام کے مقبسات۔

2* 82 آیت سے 107 آیت تک ساری عبارت اسی مضمون کے متعلق ہے لیکن ہم نے صرف چند آیات اقتباس کی ہیں۔

اس طرح سے ان سب کو جو گھروں میں بیٹھے رہے اور لڑائی میں شریک نہ ہوئے زجرو توبیخ کی گئی اور آنحضرت کو اپنے تمام مومنین سمیت جو آپ کے ساتھ گئے بہت تحسین وآفرین نصیب ہوئی اور یہ خوشخبری ملی کہ تمام اچھی چیزیں آپکی خاطر تیار ومہیا بلکہ آپکی منتظر ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپکی خاطر باغ لگا کر ان میں نہریں جاری کی ہیں اور وہاں آپ اور آپ کے مومنین سدا خوشحال 1* وفرخندوفال رہینگے۔ بعض مسلمانوں نے بعد اپنے قصور کا اقرار کرکے معافی حاصل کی لیکن آنحضرت کو اشارہ ہوا کہ ان تمام مال واسباب لے لیویں تا کہ وہ پاک وصاف ہوں۔ ان کے علاوہ اور بھی تھے جو کہ جب تک ان کے حق میں کوئی خاطر حواہ فیصلہ نہ ہوا منتظر رہے لیکن آخر کار انہوں نے بھی معافی 2* حاصل کی۔

1* دیکھو سورہ توبہ 90 آیت۔

2* سورہ توبہ کی 103 آیت سے 105 آیت تک اور 118، 119 آیت۔

سورہ توبہ سب سے آخری ہے یا کم از کم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے بعد صرف ایک ہی سورۃ نازل ہوئی تھی 1*۔ یہ سورۃ نہایت سخت ہے اور اس کے احکام برداشت سے باہر ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت کا مزاج بجائے نرمی وملائمیت اختیار کرنیکے سال بسال اور بھی سخت ودرشت

ہوتا گیا اور آپ کی جنگی روح کو ہمیشہ معرکہ آرائی کے مضامین کے لئے مفروضہ الہیٰ ارشاد کی منتظر کمال تک پہنچ گئی چنانچہ سورہ توبہ کے 10 رکوع کی پہلی آیت میں اسی مضمون پر یوں مندرج ہے یَا أَيُّهَا2* النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ اے نبی لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوائی کر ان پر اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بری جگہ پہنچے۔

سب سے آخری حملہ جس میں آنحضرت بذات خود سپہ سالار تھے جنگ تبوک تھا۔ اور اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ تمام مخالفت اور ہر طرح کے خوف وخطر کا خاتمہ ہوا۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کے مومنین نے اسلحہ جنگ فروخت کرنے شروع کردئے اور کہنے لگے اب جہاد کی کچھ ضرورت نہیں۔

1* اس سورۃ کا بہت سا حصہ 9 ہجری سے علاقہ رکھتا ہے اگرچہ 31 سے 16 آیت تک اس سے پہلے سال کا حال پایا جاتا ہے 36 آیت 37 دس ہجری سے متعلق ہیں۔ باقی آیات کسی تواریخی ترتیب میں مرتب نہیں کی گئیں لیکن مجموعی طور پر اس سورۃ سے پتہ لگتا ہے کہ 9 سے 10 ہجری میں جو کہ آنحضرت کی ترقی کا زمانہ تھا آپ کے دل کی کیا حالت تھی اور خصوصاً آنحضرت کا بے حد تکبر وغضب جو اس سے سورۃ سے ظاہر ہوتا ہے قابل غور ہے (دیکھو نولدیکی صاحب کا گشختی دس قرآن صفحہ 165 سے 169 تک)۔

2* نولدیکی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضرت محمد تبوک سے واپس آئے تھے 9 ہجری کے آخری میں۔ دیکھو گشختی دس قرآن صفحہ 167۔

جب آنحضرت نے یہ خبر سنی تو ان کو ہتھیار بیچنے سے منع کیا اور فرمایا کہ جب تک1* دجال ظاہر نہ ہو میرے مومنین اشاعت حق کے لئے ہمیشہ لڑائی میں مصروف رہینگے۔ خواہ یہ حدیث معتبر ہو یا غیر معتبر ۔کم ازکم اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوجاتی ہے کہ اس وقت جہاد کی نسبت مومنین کا کیا خیال تھا۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اس دوسری حدیث الجہاد ماضی الی یوم القیامۃ کے مطابق ہے۔

1* Muir's Life of Muhammad جلد چہارم صفحہ 203 پر مقتبسات واقدی۔

سالانہ حج کے معمولی وقت پر حضرت محمد مکہ میں تشریف فرما نہ ہوئے کیونکہ ابھی بہت سے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اسلئے 9 ہجری میں آپ نے حضرت ابوبکر حاجیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ روانہ کیا مگر اس حالت میں رہنا آپ کو کب پسند تھا۔ فوراً پیغام آیا کہ عرب کے گنواروں کی عزت وحرمت کی آنحضرت کو کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہئے چنانچہ اس آسمانی حکم کے اشتہار کی خاطر ابوبکر اور دیگر حاجیوں کی روانگی کے بعد حضرت علی روانہ ہوئے اور مکہ میں ان سے جا ملے۔ رسوم حج کے اختتام پر حضرت علی نے وحی کا وہ سارا بیان جو حضرت محمد نے ان کے سپرد کیا تھا حاجیوں کے انبوہ کثیر کو پڑھ کر1* سنایا چنانچہ سورہ توبہ کی پہلی پانچ آیت میں یوں مندرج ہے بَرَاءةٌ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَفَسِيحُواْ فِي الأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُواْ أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّهِ وَأَنَّ اللّهَ مُخْزِي2* الْكَافِرِينَوَأَذَانٌ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ3* الْحَجِّ الأَكْبَرِ أَنَّ4* اللّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُواْ أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍإِلاَّ الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُواْ عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّواْ إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَفَإِذَا انسَلَخَ الأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُواْ الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ یعنی جواب ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول سے ان مشرکوں کو جن سے تم کو عہد تھا۔ سو پھر اس ملک میں چار مہینے اورجان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا کرتا ہے منکروں کو۔ اور سنا دینا ہے اللہ کی طرف سے اور اسکے رسول سے لوگوں کو بڑے حج کے دن کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول۔ سو اگر تم توبہ کرو تمہارے لئے بھلا ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو۔ اور خوشخبری دے منکروں کو دکھ والی مار کی۔ مگر جن مشرکوں سے تم کو عہد تھا پھر کچھ قصور نہ کیا تمہارے ساتھ اور مدد نہ کی تمہارے مقابلہ میں کسی کی سو پورے کرو ان سے عہد ان کے وعدہ تک۔ اللہ کو خوش آتے ہیں احتیاط والے پھر جب گذر جاویں مہینے پناہ تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ۔

1* کہتے ہیں کہ حضرت علی نے ان کے سامنے اس امر کی بخوبی توضیح کردی کہ مومنین وکافرین اور بت پرستوں اور واحد خدا کے پرستاروں کے درمیان کسی طرح کے عہدو پیمان اور صلح وامن کا امکان نہیں۔ اور سوائے مسلمانوں کے بہشت میں اور کوئی نہیں ہوگا یعنی صرف مسلمان ہی بہشت میں جائینگے۔ دیکھو خلاصتہ التفاسیر جلد دوم صفحہ 215۔

2* لفظی ترجمہ یہ ہے کہ خدا کو کمزور نہیں کرسکتے یعنی اس کو اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے سے روک نہیں سکتے۔

3* یعنی حج نہ کہ عمرہ یا حج اصغر۔

4* اللّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ کا ترجمہ مفسر حسین نے یو کیا ہے کہ خدا بیزار است از مشرکین وعہدو ایشاں وپیغمبر نیز بیزار است ۔دیکھو تفسیر حسینی جلد اول صفحہ 247۔

پہلی اور چوتھی آیت میں تناقص نظر آتا ہے کیونکہ پہلی آیت کی رو سے حضرت محمد ایفائے عہد سے بالکل آزاد اور بری ہوجاتے ہیں اور چوتھی آیت میں مشرکین کے ساتھ آنحضرت کے دوستانہ

عہدو پیمان کا ذکر پایا جاتا ہے اور غالباً اس کا بیان یوں کیا جاتا ہوگا کہ مشرکین کی حیثیت میں ان کو حج کعبہ کی تو اجازت ہی نہ تھی اس لئے ان کے ساتھ جو عہدو پیمان تھا اس کی دیگر شرائط کا ایفا ضروری تھا جن صاحبوں نے تاحال اسلام قبول نہیں کیا تھا ۔ انہوں نے حضرت علی کی ساری تقریر کو بغور سنا اس تقریر میں یہ آیت بھی شامل تھی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُواْ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـذَا یعنی اے ایمان والو مشرک جو ہیں پلید ہیں سو نزدیک نہ آویں مسجد الحرام کے اس برس کے بعد (سورہ توبہ 28آیت)۔

یہ حکم ایسا صریح اور صاف تھا اور اس کی عملی طور پر اس قدر تائید کی گئی کہ باشند گان عرب کو سوائے تابعداری کے اور کوئی صورت نظر نہ آئی چنانچہ انہوں نے اطاعت قبول کرلی۔اب تمام مخالفت رفع دفع ہو گئی اور کعبہ سے بت پرستی کے تمام تعلقات منقطع کئے گئے ۔ مسلمانوں کے سوا کسی کو کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ رہی۔ لہذا آنحضرت نے بڑے حج پر خود بدولت تشریف لیجانیکا مصمم ارادہ کرلیا کھتے ہیں کہ 10 ہجری میں اس حج کے وقت ایک لاکھ سے زیادہ آدمی آپ کے ہمرکاب تھے۔ آنحضرت نے نہایت احتیاط کے ساتھ تمام رسوم حج کو یکے بعد دیگر پورا کیا۔ حجر اسود کو چوما زمزم سے پانی پیا اور اہل عرب کی دیگر پرانی 1* رسومات کو بھی آپ نے ادا کیا۔اس موقعہ کو آپ نے غنیمت جانا اور توارث وزنا کے متعلق ایک تقریر 2* کی اور یہ فیصلہ کیا کہ زانیہ کو کوڑوں سے ماریں پر بہت سختی سے نہ ماریں ۔ نیز آپ نے اس تقریر میں غلاموں کی بابت اور مسلمانوں کے باہمی مساوی درجات کی نسبت تعلیم دی ۔ قمری سال کو سال شمسی کی طرف تحویل کرنیکے لئے جو تین سال کے عرصہ میں ایک مہینہ زیادہ کیا جاتا تھا آپ نے سورہ توبہ کی 36 اور 37 آیت سنا کر اس کو بھی موقوف کیا اور قمری سال کے متبدل موسموں کے مطابق ماہ ذی الحج مقرر فرمایا۔انہی دنوں میں ایک دن آپ کوہ ارافات کی چوٹی پر تشریف لیگئے اور اونٹ پر سیدھے کھڑے ہو کر فرمایا الیوم 3* اکملت لکم دینکم واتمت علیکمہ نعمتی ورضیت لکمہ الاسلام دیناً یعنی آج میں پورا دے چکا دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی۔

1* ایک حدیث میں یوں مذکور ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ رسومات حج کو پورا کرو اور مجھ سے سیکھو کہ تمہیں انکو کس طرح ادا کرنا چاہیئے کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد پھر مجھ کو حج کرنا نصیب ہوگا یا نہیں ۔ دیکھو Muir's Life of Muhammad کے صفحہ 234 پر حوالہ جات واقدی۔

2* آنحضرت کی یہ تقریر Muir's Life of Muhammad کی چوتھی جلد میں 238 سے 242 تک مندرج ہے۔

3* عبداللہ ابن عباس اس آیت کا مطلب یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے تم کو حلال وحرام اور اومر نواہی کے سب احکام بتادئے ہیں آج کے دن سے لے کر کبھی کوئی مشرک ارافات ومناتک نہ پہنچنے پاوے اور نہ کعبہ کا طواف کرے اور نہ صفاومردہ کے درمیان دوڑے دیکھو تفسیر ابن عباس صفحہ 121۔ پھر تفسیر حسینی جلد اول کے 137 صفحہ پر یوں مرقوم ہے کہ امروز کامل گردانیدم برائے شما دین شمارا کہ دیگر احکام اور راقم نسخ نخواند بود تمام کردم برشما نعمت خودار کہ حج گذارید ایمن و مطمئن باشید وہیچ مشر کے باشما حج نگذاردو اختیار کردم برائے شمار اسلام رادینے کہ پاکیزہ تراز ہمہ دینہا۔ خلاصہ التفاسیر جلد اول کے 488 صفحہ پر تمام مفسرین کے بیان کا خلاصہ اور لب لباب یوں مندرج ہے کہ ہمارے دین میں ازروئے دلائل والہام کسی طرح سے کوئی نہیں کسی نئے مسئلے کی ضرورت نہیں اور کسی طرح کی ترقی و تنسیخ کی گنجائش نہیں ہے۔

اس طرح اس بت پرستی ک رسم کی شمولیت سے وہ مذہب جسکو آنحضرت اپنے ہم وطنوں کے لئے قائم کرگئے اور جس سے پہلے تمام ادیان کی تنسیخ متصور ہونے لگی کاملیت کے درجہ تک پہنچ گیا۔ سورہ حج کی 28و30و34 آیت میں فرائض حج کا بیان یوں مندرج ہے کہ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ یعنی اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے ۔ پھر چاہیئے نبڑیں 1* اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں قدیم گھر کا ۔ تم کو چاپایوں میں فائدے ہیں ایک ٹھہرائے وعدہ تک پھر ان کو پہنچانا اس قدیم تھر تک۔

1* یعنی ناسترد ہ جھاڑ داڑھی اور ننگا سر Sell's Faith of Islam صفحہ 91۔

سورہ حج کو خالص مکی یا مدنی نہیں کہہ سکتے ۔ اس کا کچھ حصہ مکہ میں نازل ہوا تھا اور کچھ مدینہ میں جن آیات کو ہم نے ابھی اقتباس کیا ہے ان کے وقت نزول کا ٹھیک پتہ لگانا آسان نہیں ہے لیکن اغلباً یہ آیات مدنی ہیں اور 6 ہجری میں حج صغرا کے موقعہ پر نازل ہوئی تھیں۔ بہر کیف یہ احکام آنحضرت نے پہلے ہی نافذ کئے ہوئے تھے اور اب خود ان پر کار بند ہو کر آپ نے ان کو جواز پر مہر کی اور اس وقت سے حج کعبہ ہر مسلمان کے دینی فرائض میں داخل ہو گیا۔ ان ایام میں حج کرنا بلاشبہ ایک ملکی کارروائی تھی کیونکہ یہ قومی معبد مرکز اسلام اور اس کے جان نثاروں کے سالانہ اجتماع کا مقام

ہونے کی حیثیت میں اس عزت وحرمت کو حاصل کرکے تمام باشندگان عرب اور خاص کر قریش کے لوگوں کے خیالات کو جو کہ خاص شہر مکہ ہی میں سکونت پذیر تھے کھینچ رہا تھا۔

صرف حج کعبہ ہی ایک ایسی رسم تھی جس میں وہ سب لوگ مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے اور اس کے جاری رہنے سے خوش ہو کر رفتہ رفتہ وہ اسلام کے نزدیک ہوتے گئے ۔آنحضرت کا حج کی پرانی 1* رسومات کو قائم رکھنا بھی آپکی دانائی اور ہوشیاری کی دلیل ہے۔اہل عرب کی نظر میں کعبہ اور اسکے متعلقات کی بالعموم بہت ہی عزت و تعظیم ہوتی تھی ۔حج کا یہ ایک بڑا بھاری مقصد تھا کہ عرب کی مختلف قومیں جن کےدرمیان مدتوں سے بعض وحسد کا راج قائم تھا ایک دل اور ایک جان ہوجاویں اور ایک نہایت اعلیٰ وخاص مطلب کے لئے زبردست جماعت مجتمع ہوجاوے لیکن فی الحقیقت یہ نہایت کمزوری اور بوداپن کی دلیل تھی کیونکہ اس سے یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام ایک قومی مذہب تھا اور اس کا آغاز اور تکمیل اس امر کے شاہد ہیں۔ اس کے احکام وقواعد جو کہ ساتویں صدی میں اہل عرب کی ضروریات کے مطابق تھے نویں صدی کے لوگوں کے لئے ان پر کاربند ہونا از حد دشوار ومشکل تھا اور یہ اسلام کی ترقی کا سخت مانع ہے ۔ اس عقیدہ کی عمارت کے محراب کا سر ایک کالا پتھر ہے جو پہلے ایک بات خانہ میں تھا۔ اس طرف جانا اور بت پرستوں کی پرانی رسوم کو ادا کرنا نجات 2* کا سچا طریق بیان کیاجاتا ہے۔ اہل اسلام کی عقلیں اور ان کے دل گویا اس کالے پتھر سے بیابان میں جکڑے ہوئے ہیں اور اسی قسم کی چیزوں کی عزت و تعظیم کرتے ہیں۔ نور ہدایت کے تازگی بخش قطرات ان کو تروتازہ 3* کرنے کے لئے بالکل بے اثر اور بیفائدہ معلوم ہوتے ہیں۔

1* تمام اہل عرب میں جو کعبہ کی عزت و تعظیم تھی وہ بھی اس امر میں آنحضرت کی مدد کا ایک نہایت عمدہ وسیلہ تھی کہ آپ تمام عربی اقوام کو ایک خاص مقصد کو مدنظر رکھ کر اکٹھا کریں۔اب آنحضرت کو ایک مزار ہاتھ آیا جس کی نہایت خصوصیت کے ساتھ صدہا سال سے عزت وحرمت ہوتی چلی آتی تھی اور مقدس مقام کی تعظیم وتکریم کے باب میں تمام عرب جو ملک کے مختلف حصوں میں آباد تھے شراکت رکھتے تھے اور یہی مقام تھا جس سے کبھی ان کے دلوں میں قومی پاسداری کا خیال آسکتا تھا اور آنحضرت کے لئے اس کی تردید کرنا اور اسکی عزت و تعظیم کے برخلاف تعلیم دینا ایک طرح کی دیوانگی متصور ہوتا اور اس سے آپکی ساری مہمات کا مطلب فوت ہوجاتا۔ دیکھو پامر صاحب کا قرآن صفحہ 53۔

2* دیکھو Sell's Faith of Islam صفحہ 288۔

3* Osbern's Islam under the Arabs صفحہ 83

اس میں ذرا شک نہیں کہ اسلام میں ہر طرح کی بہتری اور اصلاح کا روکنے والا حج ہی ہے اور اسلام میں اصلاح تو ہی ہوسکتی ہے جبکہ (اہل اسلا اصلاح کی خواہش کو ظاہر کریں پر حج کی دوامی قید سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کے خواہاں نہیں ہیں 1* بلکہ بر خلاف اس کے یہ ماننا پڑتا ہے کہ حج کی مداوت سے مسلمان متعصب اور دن بدن اپنے عقائد پر زیادہ پختہ ہوتے جاتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں مسلمان جو کہ گذشتہ صدیوں میں گذر چکے ہیں باوجود مختلف زبانوں اور نسلوں سے علاقہ رکھنے کے آپس میں کسی قدر برادرانہ اتحاد اور یگانگت رکھتے تھے۔ علاوہ اسکے حج کے وسیلہ سے حضرت محمد کی ایک نہایت عمدہ یادگار قائم ہوگئی مکہ مسلمانوں کی نظر میں ایسا ہی تعظیم وتکریم کے لائق ہے جیسا کہ یروشلم یہودیوں کی نظر میں ۔ گذشتہ صدیوں کے لوگوں کی عزت و تعظیم کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اس کے خیال سے ہر ایک مسلمان اپنے ایمان کے آغاز اور اپنے نبی کے ایام طفولیت کو یاد کرتا ہے ۔ نیز مکہ کے خیال سے خواہ مخواہ یہ بات یاد آتی ہے کہ پرانے مذہب اور نئے دین میں کس طرح کشمکش ہوتی رہی اور بت پرستی کو نیست ونابود اور بتوں کو چکنا چور کرکے واحد خدا کی عبادت قائم کی گئی۔

1* حج فرض ہے اور فرض کی تعریف کے لئے Sell's Faith of Islam کا 288 صفحہ اور 251 صفحہ ملاحظہ فرمائیے ۔ مولوی رفیع الدین احمد صاحب نے مطبوعہ اکتوبر 1897ء میں یوں فرمایا کہ حج انسان کے دل کو پاک صاف کرتا ہے اور ایسا بے گناہ اور معصوم بنادیتا ہے جیسا کہ پیدائش کے وقت معصوم بچوں کا حال ہوتا ہے۔

سب سے بڑھ کر ہر ایک مسلمان کو یہ جتلاتا ہے کہ اس کے تمام مسلمان بھائی ایک ہی جگہ اور ایک ہی مقدس مقام کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں اور یہ کہ مومنین کی ایک بھاری جماعت میں وہ بھی شامل ہے جو کہ ان کے ساتھ ایمان وامید میں شریک ہو کر ان ہی چیزوں کی عزت تعظیم کرتا ہے جس کی وہ کرتے ہیں اور اسی خدا کی عبادت میں کھڑا ہوتا ہے جس کو وہ پوجتے ہیں۔ حضرت محمد نے جب کعبہ کی تقدیس کی تو اس امر کو ظاہر کیا کہ آپ کو انسان کے مذہبی جذبات کا کہاں تک علم تھا لہذا ایک طرح سے حج کا قائم رکھنا اسلام کی پائیداری کا باعث معلوم ہوتا ہے لیکن جس قدر اس پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اسی قدر اصلاح کرنا نہ صرف بت پرستوں کی خواہشات کے مقابلہ میں کمزوری کا نشان تھا بلکہ اس سے عقل وانصاف کا بھی خون ہو گیا۔

اس بیان سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ قرآن میں جس قدر تواریخی واقعات کا ذکر پایا جاتا ہے وہ سب سچ ہیں لیکن اور بھی بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا ہم نے مطلق ذکر نہیں کیا مثلاً ملکی معاملات یعنی عہدو پیمان وغیرہ کا قائم کرنا۔ منافقین سے برتاؤ اور متحدہ اقوام سے سلوک کرنے کا بیان بھی قرآن میں مندرج ہے۔ پھر انتظامی معاملات مثلاً نکاح ،طلاق ،شہادت اور وصیت وغیرہ کے قانون بھی پائے جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ایک ایسا رجسٹر ہے جس میں ملک وملت کی امتزاجی سلطنت کے آئین وقوانین مرقوم ہیں۔ یہ متذکرہ بالا امور زیادہ تر مدنی سورتوں میں پائے جاتے ہیں سوائے بقر، نسا، اورمائدہ جو کہ قریباً طوالت میں برابر اور کل قرآن کا ساتواں حصہ ہیں ان میں دینی اور ملکی فرائض اور قوانین فوجداری مفصل طور سے مندرج ہیں۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ وہ شخص جو کہ مکہ میں محض واعظ اور نصیحت گو تھا مدینہ میں واضع قوانین اور جنگی سپہ سالار بن گیا اور بجائے اس کے کہ ایک شاعر اور معلم کی حیثیت میں قلم کا استعمال کرے لوگوں کو مطیع ومنقاد بنانے کے لئے تیغ براں ہاتھ میں لئے ہوئے حرب وضرب کا نعرہ بلند کرنے لگا۔ جب مدینہ میں کار گذاری بڑھ گئی تو نظم کی جگہ نثر کا استعمال ہونے لگا اگرچہ اس میں بھی شاعرانہ خیالات مستتر معلوم ہوتے تھے تاہم بعض اوقات بالکل نثر رہ جاتی تھی اور آنحضرت کو یہاں سے شروع کرکے اپنے آپ کو محض 1* شاعر کے الزام سے بری کرنے کے لئے مدت تک کوشش کرنی پڑی پر مدنی سورتوں میں یہ بہت ہی کم نظر آتا ہے ۔جب ہم اس قسم کے فقرات کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی ۔ اللہ اور اس کے رسول کا انعام اور اللہ کی اور اسکے رسول خوشنودی وغیرہ کو قرآن میں پڑھتے ہیں تو نہایت حیرت زدہ ہوتے ہیں کہ آنحضرت کس قدر ان اوصاف کو جو قرآن کے اور مقامات میں خدا کے لئے مخصوص ہیں اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔

1* دیکھو سورہ النفال 31آیت۔

مدنی سورتوں میں یہ جملہ کہ اللہ اور اس کا رسول بہت عام ہے اور انہی سے مخصوص 1*۔ اب آنحضرت نے ایک واعظ اور متنبہ کنندہ کی حیثیت سے گذر کر فرما نروا اور خدا کی سلطنت کے کار مختار کی حیثیت کو اختیار کیا اور اب آپ کے احساس کا مضمون پہلے کی نسبت بالکل مختلف اور الہٰی اختیار دکھاتا تھا۔ کفارہ کا ذکر کرتے وقت آپ فرماتے تھے کہ کافر وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور خدا کے الہام ووحی کو نہیں مانتے لیکن مومنین کو آپ نے یوں فرمایا امنو بااللہ ورسولہ النور الذی انزلنا یعنی ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا ۔ پھر خدا اور رسول کی مخالفت کا ذکر بھی اکٹھا ہی آتا ہے گویا کہ دونوں کے لئے یکساں سزا مقرر ہے ۔چنانچہ سورہ انفال کی 13آیت میں یوں مرقوم ہے وَمَن يُشَاقِقِ اللّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ یعنی اور جو کوئی مخالف ہو اللہ کا اور اسکے رسول کا تو اللہ اسے سخت سزا دیتا ہے ۔ پھر مومنین کو ایک اور ہی طرح زندگی اور روش کو اختیار کرنیکا فرمان ہوتا ہے۔

1* صرف ایک مقام اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ سورہ اعراف کی 158آیت میں یہ فقرہ درج ہے سورہ اعراف ایک مکی سورۃ ہے لیکن 156 سے 158 تک آخری دنوں کے الہامات کی آیات درج کی ہوئی ہیں ان میں جو جملہ النبی لامی پایا جاتا ہے کہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات مدنی ہیں کیونکہ یہ ایک ایسا محاورہ ہے جو صرف مدنی آیات سے مخصوص ہے۔ ان آیات میں انجیل وتوریت کی طرف جواشارہ کیا جاتا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت آخری ایام یعنی ایام مدینہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر ان لوگوں کی طرف بھی ایک اشارہ ہے جو تقویت ومدد کرتے ہیں چنانچہ لکھا ہے عزور ونصروہ یہ صاف انصار کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس کا ترجمہ مفسر حسین یوں کرتے ہیں کہ یاری دادند اور برادشمنان۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ بالسیف یعنی انہوں نے مدد کی اس کی تلوار پکڑ کر۔ پس اس سے صاف فیصلہ ہوجاتا ہے کہ یہ آیات آخری یعنی ایام مدینہ میں نازل ہوئی تھیں اللہ ورسولہ یعنی اللہ اور اسکا رسول ایک فقرہ ہے جو ماقبل اورمابعد کی آیتوں سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے اور نہایت صفائی سے ظاہر کرتا ہے یہ آیت آخری زمانہ کی یعنی مدنی ہیں Noldeke's Geschichte des Quran's p 118

ختم شد